سلسلۂ تذکرۃ المحدثین

عہدِ رسالت سے لے کر بعد کے ہر دور میں احادیثِ نبویؐ کی نقل و روایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، یہ احادیث عرب و حجاز ہی میں نہیں پوری دنیائے اسلام میں بکھری پڑی ہوئی تھیں، محدثینِ کرام کا اُمت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ایسے زمانہ میں جب کہ آج کل کی طرح سفر کی سہولتیں میسر نہ تھیں اور نہ نشر و اشاعت کے اتنے وسیع ذرائع و وسائل موجود تھے دنیائے اسلام کا ایک ایک چپہ چھان کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و ارشادات کو تحقیق و صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ جمع کیا، اُن کے مجموعے مرتب کئے، سیرۃ النبیؐ، سیر الصحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کے مقدس سلسلوں کے مکمل ہونے کے بعد حضرت سید صاحب علیہ الرحمۃ کو ان محدثینِ کرام کے حالات مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا، امام بخاریؒ پر ایک مضمون اور صاحبِ موطا امام مالکؒ کی سوانح عمری وہ لکھ بھی چکے تھے، یہ کام اُن کی وفات کے بعد یہاں کے رفیق مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے سپرد کیا گیا، جس کے ۲ حصے اب تک شائع ہو چکے ہیں، اور دو حصے اور شائع ہوں گے، ان میں سے ایک حصہ ہندوستان کے محدثینِ کرام کے حالات پر مشتمل ہوگا، اور یہ حصہ زیرِ ترتیب بھی ہے،

حصہ اول میں امام مالکؒ اور ائمۂ صحاح کے علاوہ دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کے مشہور صاحبِ تصنیف محدثینِ کرام مثلاً امام عبدالرزاق، امام حمیدی، امام احمد بن حنبلؒ، امام طحاوی وغیرہ کے حالات سوانح اور فنِ حدیث سے متعلق اُن کی شاندار خدمات کو مستند حوالوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، حصہ دوم میں چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر سے آٹھویں صدی ہجری کے اکثر مشہور اور صاحبِ تصنیف محدثینِ کرام کے حالات سوانح اور اُن کی حدیثی خدمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کے تیسرے حصہ میں آٹھویں صدی ہجری کے بقیہ اور اس کے بعد کے تمام قابلِ ذکر محدثین کے حالات ہوں گے، مرتبہ:- مولانا ضیاء الدین اصلاحی،

قیمت حصہ اول:- ۰۰-۱۷ قیمت:- حصہ دوم:- ۰۰-۱۹

"منیجر"

جلد ۱۲۶ ماہ ذی قعدہ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۸۰ء عدد ۴

مضامین

شذرات

مقالات

شذرات

گذشتہ مہینہ کے شذرات میں ذکر آیا تھا کہ چودہ[۱۴] سو سال کے اندر مسلمانوں کی بہت سی حکومتیں قائم ہوئیں، مگر وہ سب ختم ہوگئیں، آخر ان کے ختم ہونے کے اسباب کیا تھے

شروع میں مسلمان عرب سے نکل کر ہر طرف پھیل گئے، ان کی شمشیر جہانگیر ہونے کے ساتھ جہاندار بھی ہوئی، دنیا ان کی تکبیر سے جاگ اٹھی، ان کے عروج کے اسباب کیا تھے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں رومیوں سے لڑائی ہوئی تو ان کے ایک جاسوس نے اس وقت کے مسلمانوں کے کردار کی یہ تصویر کھینچی کہ یہ لوگ رات میں راہب اور دن میں شہسوار ہوتے ہیں، حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو امیر لشکر بنایا تو ان کو یہ نصیحت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پوری زندگی تم نے دیکھی ہے، اس کو پیش نظر رکھنا اسی کو مضبوط پکڑے رہنا، ورنہ تمہارا عمل ضائع ہو جائیگا، اور تم نقصان اٹھاؤ گے، حجاج بن یوسف کے سامنے خلفائے راشدین کے لشکریوں کی فتح و کامرانی کے اسباب کا تجزیہ کیا گیا تو یہ معلوم ہوا کہ ان سے زیادہ زاہد اور دنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا کوئی نہ تھا، ان میں بزدلی، خیانت اور بدعہدی نہیں تھی،

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد وعظ فرمایا تو صحابہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک صحابی نے عرض کیا کہ کوئی ایسی بات فرما دیں جس کو ہم مضبوطی سے پکڑے رہیں، ارشاد فرمایا کہ میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا، وہ بڑے اختلافات دیکھے گا، مگر میرے طریقہ کو مضبوط پکڑے رہنا، اور اسکا اتباع کرنا، ایک اور موقع پر فرمایا جب میری امت دنیا کو عظیم الشان اور اونچی سمجھنے لگے گی تو اس کے دلوں سے اسلام کی ہیبت جاتی رہے گی، جب برے کاموں کو روکنا چھوڑ دیگی تو وحی کی برکت سے دور ہو جائیگی، اور جب وہ ایک دوسرے کو برا کہنے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ جب بیت المال کا مال ذاتی بن جائے گا، امانت کو مال غنیمت

سمجھا جانے لگے گا، زکوٰۃ تاوان ہو کر رہ جائے گا، فاسق لوگ سردار بن جائیں گے، برائی کے ڈر سے آدمی کا اعزاز کیا جائے گا، بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی ہوگی" گانے والیوں کے گانے سنے جانے لگیں گے، باجے کھلم کھلا استعمال کئے جائیں گے، شراب پی جانے لگے گی، ریشمی لباس استعمال ہونے لگے گا، امت کے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا جائے گا، تو لوگ اس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ میں دھنس جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔

کیا مسلمانوں کی حکومتوں کے تمام سربراہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑا، بنو امیہ میں امیر معاویہ، عبد الملک، ولید اور حضرت عمر بن عبد العزیز کی فرمانروائی پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں مگر اسی خاندان کے آخری فرمانرواؤں میں ولید ثانی بن یزید عبد الملک اپنی رندی اور سرمستی میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس کے مخالفین نے اس پر غلط یا صحیح الزام یہاں تک رکھ دیا کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پینے کا ارادہ کیا تھا، خود عباس میں منصور، ہارون رشید اور مامون رشید دنیا کے جلیل القدر فرمانرواؤں کی صف میں لا کر کھڑے کئے جا سکتے ہیں، مگر اسی خاندان میں سے مہدی اور ہادی کی رنگین مزاجی کی وجہ سے انکا محل حسین عورتوں کا جمالستان بن گیا تھا، امین بن ہارون رشید نے اپنے نامور باپ کی ساری شاندار روایات کو نظر انداز کر کے طرح طرح کی نزہت گاہیں بنوائیں جہاں حسین عورتوں اور مسخروں کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف رہتا، مامون اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ہری بیکر نازنینوں کے جھرمٹ میں رہتا، اس کے دربار میں بڑے بڑے صاحب کمال مغنی جمع تھے، رومی کنیزیں رقص و سرود سے اس کی محفل گرم کیا کرتی تھیں، موقع جب نبیذ پینے کیلئے بیٹھتا تو سونے کی کشتی میں بلور کے جام و مینا پیش کئے جاتے،

بلبن اور فیروز شاہ تغلق جیسے مذہبی سلاطین دہلی اپنی بادشاہت سے پہلے شراب پینے کے عادی تھے، مغل فرمانرواؤں میں بابر اور جہانگیر تو اپنی شراب نوشی کی محفلوں کا ذکر مزے لیکر کرتے ہیں اکبر نے درباری علماء کو بھی شراب پینے کی فہمائش کی، دنیا کی مسلمان حکومتوں میں ایسے کم فرمانروا گذرے ہیں جنکو جام و مینا کا چسکا نہ لگا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہِ وقت ہونے کے باوجود سیدہ عالم حضرت فاطمہؓ کو جو جہیز دیا، وہ بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک اور دو چکیوں پر مشتمل تھا، مگر مامون رشید کی شادی حسن بن سہل کی لڑکی سے ہوئی تو اس کیلئے سنہرے کام کا فرش بچھایا گیا، جب اس نے اس پر قدم رکھا تو اس کے اوپر بڑے بڑے موتی نچھاور کئے گئے، شب عروسی کی روشنی میں چالیس من موم بتیاں سونے کی لگن میں روشن کی گئی تھیں، معتضد کی ماں نے اپنے کمسن پوتے کی ایک تقریب میں چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤں بسایا، جس میں مکانات اور کھیت تک چاندی کے تھے، شاہجہاں نے داراشکوہ کی شادی میں بتیس ۳۲ لاکھ روپیے خرچ کئے تھے۔

محل کی محبوباؤں کی خاطر ماں کی نافرمانی کا کیا سوال، ساری مملکت کی آزردگی مول لے لی جاتی، اندلس کے فرمانروا عبدالرحمٰن اول کی محبوبہ طروب اس سے خفا ہوئی تو اس نے اپنے محل کا پھاٹک بند کر کے اس سے ملنے سے انکار کر دیا، پھاٹک توڑنے کے بجائے عبدالرحمٰن اول نے اسکو اوپر سے نیچے تک تیس ہزار کے دینار کی تھیلیوں سے چنوا دیا، طروب اس ناز برداری سے خوش ہوکر اس کے قدموں سے آلگی، ایک اور موقع پر اس نے اسکو ایک لاکھ دینار کے زیورات دیے، وزراء نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے یہ کہہ کر ان کا منہ بند کیا کہ یہ جس کے جسم پر ہوں گے، وہ ان سے زیادہ بیش بہا گوہر ہے، کیا مشئے زمین پر اس کے حسن و جمال کے دیدار سے بھی زیادہ کسی چیز میں آنکھوں میں ٹھنڈک ہوگی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن مبارک میں نہ صحن تھا، اور نہ دالان، دیواریں مٹی کی تھیں، چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھی، بارش سے بچنے کے لئے بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت چھو سکتا تھا، مگر اسلام اور اسکے رسولؐ کے نام پر حکومت کرنے والوں نے بڑے بڑے محلات بنوائے اور فروغ کئے، صرف بغداد میں ۲۳ محل تھے، قصر فردوس میں سونے کے دس ہزار جوشن، خود اور دوسرے زرہی اسلحہ آویزاں تھے، معتضد نے دجلہ کے کنارے قصر التاج بنایا تھا، تو اس کے مرصع تخت کے دائیں بائیں جواہرات کے اٹھارہ ہار کی جوت سے رات کو دن کا عالم نظر آتا تھا، اسکی تقلید دوسرے ممالک کے فرمانروا بھی کرتے! اندلس کے فرمانرواؤں نے قرطبہ کو بغداد سے بڑھا دینے کی کوشش کی، اس میں عالی شان محلات، حمام، حوض

بہت گلابوں اور فواروں کی بڑی فراوانی تھی، دہلی کے سلطان محمد تغلق نے ایک محل بنایا تھا جس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا، اس کے ایک حوض میں سونا پگھلا کر اس کو بھروا دیا تھا، شاہجہان نے آگرہ اور دہلی کے محلوں کو بہشت بریں بنا دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں تمام عمر چپاتی کی صورت نہیں دیکھی تھی، حضرت صفیہؓ کے نکاح میں آپؐ نے جب ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور اور ستو تھا، غزوہ احزاب میں تین تین دن کے فاقہ کی وجہ سے آپؐ کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے، مگر ہارون رشید کے دسترخوان پر تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے، اس کے باورچی خانہ کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا، مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی یومیہ تھا، قاہر کے دسترخوان پر تین ہزار اشرفی کے میوے روزانہ ہوتے تھے، جہانگیری عہد کے ایک فوجی سردار باقر خان نجم ثانی کے باورچی خانہ کیلئے دو سو بکرے، چالیس اونٹ اور ایک ہزار گائیں روزانہ ذبح ہوتی تھیں، اورنگ زیب اسراف پسند نہ کرتا تھا، مگر اس کے عہد میں بھی جب ایران سے ایک سفیر آیا تو لاہور میں اس کی دعوت میں چار سو قابیں تھیں، فواکہات اور مشروبات کے سات سو خوان تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑے کے استعمال کی ممانعت فرمائی، جب آپ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے، اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی کہ ان ہی کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی، مگر آپ کا نام لیکر حکومت کرنے والوں کے یہاں حریر، مخمل، دیبا اور مشجر کا استعمال عام ہو گیا تھا، ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھ دیے تھے، تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ہم کو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہیں دیا گیا ہے، مگر خلافت راشدہ کے بعد جتنی حکومتیں جہاں بھی قائم ہوئیں ان کے اور ان کے امراء کے یہاں زمین اور در و دیوار پر قیمتی مخمل و حریر کی بہار دکھائی دیتی۔

یہ تکلفات کیوں پیدا ہوتے گئے، صرف اس لئے کہ فرمانروا دنیا ہی کو عظیم الشان اور اونچا سمجھنے لگے،

جس کے بعد اسلام کی ہیبت ان کے دلوں سے جاتی رہی، اور وہ عیش و تنعم میں مبتلا ہوتے گئے جسکا مظاہرہ مختلف صورتوں سے ہونے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے بجانے سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی تھی، مامون جیسے جلیل القدر فرمانروا کے یہاں رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوئیں، اندلس کے فرمانروا عبد الرحمٰن ثانی نے اپنے ایک مغنی زریاب کے لئے چالیس ہزار دینار سالانہ کا وظیفہ مقرر کیا تھا، جہانگیر کے ایک امیر اسلام خان رقص و سرود کے ارباب کمال پر نو لاکھ ساٹھ ہزار سالانہ خرچ کیا کرتا تھا۔

اسی عیش و تنعم کی فضا میں مسلمان فرمانروا حسن و جمال کے پرستار بنتے چلے گئے، عثمانی ترک اور ہندوستان کے مغل فرمانروا بے تکلف عیسائی اور راجپوت شہزادیوں کو اپنے حرم میں داخل کرتے رہے، جس سے نہ صرف ان کی خانگی زندگی میں پیچیدگی پیدا ہوتی رہی، بلکہ اس کے مضرت رساں اثرات ان کی فرمانروائی پر بھی پڑے، صلیبی جنگ کے زمانہ میں عیسائیوں کی کوشش رہی کہ فرنگی عورتیں عرب فرمانرواؤں کے حرم میں بلا تکلف داخل ہو جائیں، تاکہ ان کے ذہنی اور مذہبی طرز فکر کو اپنے حسن و جمال کی عشوہ گری سے بدل دیں۔ ایسی عورتیں حرم میں داخل ہو گئیں تو نسلی خرابیاں بھی پیدا ہو جائیں، مگر یہ فرمانروا نسلی خرابیوں کے پیدا ہونے والے اثرات سے بے خبر رہے، اور اگر ان کو احساس بھی ہوا تو اپنے عیش و تنعم کے تکلفات میں انکو نظر انداز کر دیتے۔

ان تکلفات سے دو بڑے نقصانات ہوئے، وہ ان ہی تمدنی برائیوں میں مبتلا ہو گئے جن سے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بے جان اور متزلزل ہو رہی تھیں، مسلمان فاتحوں نے انکی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کو مغلوب کیا، تمدنی اقدار کا جب اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو بہ مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے لگتا ہے، ایک فرانسیسی مورخ کے بیان کے مطابق تمدن قوم کے عادات و اطوار کو نرم کرتا ہے، فہم و ادراک کو ضرور جلا دیتا ہے، لیکن تہور آزمائی اور معرکہ آرائی

کی خصوصیات کو زائل کر دیتا ہے، مسلمان اور ان کے حکمران متمدن ہوئے تو انکی تمدنی قوت مدرکہ ضرور بڑھی مگر وہ اس جرأت، قوت ارادی اور عزم سے بیگانہ ہوتے چلے گئے، جنکی بدولت وہ دنیا پر چھا گئے تھے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ان تکلفات کا سارا بار بیت المال پر پڑا، اور اس قومی امانت میں خیانت ہونے لگی۔ شاندار محلوں اور مقبروں کی تعمیرات اور دربار کی زینت و آرائش میں بیت المال کا سرمایہ بے دریغ خرچ ہونے لگا، اس سرمایہ سے انھوں نے آگ، پانی، ہوا اور مٹی پر قابو پانے کی کبھی وہ کوشش نہیں کی جو آج غیر مسلم قومیں کر رہی ہیں، انکے یہاں ابن ہیثم، ابن جابر، محمد بن جعفر البتانی، الدمیری، ابو معشر، ابوالحسن الناید بزمی، ابن زہیر اور بو علی سینا وغیرہ جیسے سائنس، ہیئت اور طب کے ماہرین پیدا ہوئے، ان سے یورپ والوں نے پورا استفادہ کیا، مگر وہ خود ان سے زیادہ فوائد نہ اٹھا سکے، ان کو اپنے عیش و تنعم میں زیادہ تر شعر و ادب، الف لیلہ، طلسم ہوش ربا اور داستان امیر حمزہ ہی میں لذت ملتی رہی۔

بیت المال کے تصرف سے ان فرمانرواؤں کی حکومتیں شخصی اور خاندانی بنتی چلی گئیں، شخصی حکومتوں کے فرمانرواؤں نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ انکے اندر رہنے والے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے، اور انکی معاشرت میں تفریق و تقسیم کی بیگانہ دستی نہ ہونے پائے، وہ یا تو میدان جنگ میں لڑتے، لڑنے کے بعد ملکی نظم و نسق میں مشغول ہو جاتے، یا پھر وہ باد کی ریشہ دوانیوں سے پریشان رہتے، ان سے فرصت مل جاتی، تو محلات اور مقبرے بنانے میں لگ جاتے، اگر وہ قوم کی سیرت کے الحمرا، قرطبہ اور تاج محل بنانے میں مشغول رہتے تو ان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

تاج و تخت کی جانشینی کا کوئی ضابطہ بھی نہیں رہا، اسی لئے جانشینی کے سلسلہ میں کبھی معزولی کبھی قتل اور کبھی خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں، ان لڑائیوں کے لشکری شخصی حکومت کیلئے لڑتے، ماس یہ پہلے کی طرح رات کے راہب اور دن کے سوار نہ ہوتے، اپنے شاہی آقا کی خاطر ایک دوسرے کو برا کہہ کر اور وحی کی برکتوں سے محروم ہو کر مادی زندگی کے لئے لڑتے، جو جنگ میں حاوی ہو جاتا وہی تاج و تخت کو ذاتی ملکیت سمجھ کر اسکا مطلق العنان مالک بن جاتا جو کہ دوسروں کیلئے مفید نہ ہوتا اور اگر مفید ہوتا تو وہ اسکا محض لازمی خدا ہو جاتا، قادسیہ کی جنگ کے موقع پر حضرت سعد بن وقاص کے

سفیر مغیرہ نے ساسانی حکمران یزدگرد کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ تم میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہیں اب تمھاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی جب مسلمانوں میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہوتے گئے تو انکے دلوں سے اسلام کی عظمت و ہیبت بھی جاتی رہی طاقتور حکمران کمزور پڑ جاتے تو نسلی علاقائی اور ذاتی مفاد کی خاطر ان کا کوئی نہ کوئی حریف پیدا ہو جاتا اور وہ ایک علیحدہ حکومت بنالیتا جس سے مسلمانوں کی فوجی قوت منقسم ہوتی رہی، مسلمانوں کی تاریخ میں اگر یکجہتی اور یگانگت کی مثالیں ملتی ہیں تو انکی نفاق پروری سے بھی انکی تاریخ بھری پڑی ہے، امیر معاویہؓ نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کردیا، یزید کے عہد میں کربلا کا واقعہ پیش آیا جسکو زمانہ کبھی فراموش نہ کرسکیگا، سفاح بن عباس نے بنو امیہ کو ختم کرکے انکی قبریں کھدوا دیں، عباسیوں کے آخر زمانہ میں نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی نے تاتاریوں کے ساتھ مل کر بغداد کو خون اور لاشوں کا ڈھیر بنا دیا، تیمور نے دولت عثمانی اور تغلق خاندان کے فرمانرواؤں پر کسی مقصد کے بغیر حملہ کرکے انکو بے جان کردیا، ترکی کا سلطان بایزید اسلام کو دشمن بازنطینی حکومت پر ضرب کاری لگانے والا تھا تو تیمور نے اس سے لڑکر اس کو قید کردیا اور وہیں اسکی موت ہوئی، ابراہیم لودی کے امیر دولت خان نے بابر کو مدعو کرکے لودی خاندان کو ختم کردیا، نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کرکے مغلوں کی سلطنت کی بنیاد ہلادی اسکی رہی سہی قوت کو احمد شاہ ابدالی نے اپنے متواتر حملوں سے ختم کیا پھر میر جعفر اور صادق نے انگریزوں سے مل کر بنگال میں سراج الدولہ اور میسور میں ٹیپو سلطان کی حکومتیں ختم کرائیں، اندلس میں بنو عباد، بنو حماد، بنو عامر، بنو ذوالنون اور بربریوں وغیرہ میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں جن سے فائدہ اٹھا کر عیسائیوں نے انکی آٹھ سو برس کی حکومت کو ہمیشہ کیلئے ختم کردیا، اور صفاریوں، طاہریوں، طولونیوں، سامانیوں، خوارزمیوں، زنگیوں، ایوبیوں، غزنویوں، غوریوں، غلاموں، خلجیوں، تغلقوں، سیدوں، لودیوں، مغلوں اور یورپ میں عثمانیوں کی حکومتیں انکی باہمی آویزشوں اور افتراق پسندیوں کی وجہ سے ختم ہوتی گئیں، یہ دکھ بھری داستان ہے کہ صلیبی جنگ کے زمانہ میں مشرق وسطیٰ کے چھوٹے چھوٹے حکمران اپنی علاقائی آزادی کو برقرار رکھنے کی خاطر عیسائیوں سے مل جاتے تھے، جنگ عظیم میں عربوں نے عیسائیوں سے مل کر ترکش امپائر کو ختم کردیا، موجودہ دور میں مشرق میں عربوں میں جو پھوٹ پڑی ہوئی ہے، اسکو ہم آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مسلمانوں کی تاریخ میں منافقوں اور غداروں کی بھی بڑی دردناک داستان ہے۔

مسلمانوں کے زوال کا واحد سبب تو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ ان کا اجتماعی معاشرہ کبھی مستحکم نہیں رہا اس لئے آسانی سے اس میں پھوٹ پڑ جاتی، دیندار اور طاقتور فرمانروا اپنے عہد میں اس معاشرہ کو کچھ دنوں کیلئے مضبوط بنادیتے مگر جب کمزور اور فاسق حکمرانوں کے سامنے دنیا ایک عظیم الشان دنیا ہوتی تو پھر وہ دین کی برکتوں اور اپنے رسول کی اتباع سے محروم ہو گئے اور وہ اپنی تباہی کی سرخ آندھی اور زلزلہ میں زمین کے اندر دھنستے چلے گئے۔

مقالات

فاتح علم

از جناب شبیر احمد خاں غوری ایم۔ اے ایل ایل بی۔ سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش

(۲)

جیسا کہ سابق میں عرض کیا جاچکا ہے، اس عاجز کو اصل کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں ہوسکا، کتاب سے میری واقفیت کا واحد ذریعہ فاضل تبصرہ نگار کا تبصرہ ہے، وہ اس کی عظمت تحقیق سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے ہیں، اور لکھا ہے:۔

"بلا (خوف) تردید کہا جاسکتا ہے کہ اسلام اور علم کے موضوع پر آج تک کسی زبان میں ایسی جامع اور فکر انگیز کتاب شائع نہیں ہوئی"۔

بایں ہمہ وہ مصنف کی تحقیقات پر غیر مشروط ایمان نہیں رکھتے، چنانچہ تبصرہ کے آخر میں فرماتے ہیں۔

"یہ امر قابل ذکر ہے کہ کتاب کا مصنف اس علم و فضل کے باوجود بہر حال غیر مسلم ہے، اس کے خیالات اور نتائجِ فکر سے سو فیصد اتفاق مشکل ہے، اس کی بعض باتیں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے

قابل اعتراض بھی ہیں، مثلاً مصنف کی قیاس آرائی کہ اوائلِ عہد اسلام میں مسلمانوں کی نشاط علمی شاید ادیان سابقہ خصوصاً یہودیت کے فیضان کا نتیجہ تھی، محض ایک مفروضہ ہے جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں!!

اس عاجز کو فاضل تبصرہ نگار کے انداز فکر سے اتفاق کرنے میں بڑی دقت پیش آرہی ہے۔ بے شک کتاب کا مصنف اس علم و فضل کے باوجود غیر مسلم ہے، مگر تلاش حقیقت میں اپنے بے گانے کا امتیاز نہیں کیا جانا چاہئے، علم کی نعمت تو ایک روشنی ہے، اور روشنی کا جویا، جہاں سے بھی وہ اسے ملے کسب نور کرتا ہے، اور کرنا چاہئے، وہ یہ امتیاز نہیں کرتا کہ روشنی طاقِ حرم میں جھلملاتی شمع سے آرہی ہے، یا بتکدے میں ٹمٹماتے چراغ سے:

پروانہ چراغِ حرم و دیر نداند

اسی طرح اس کے خیالات اور نتائجِ فکر سے سو فیصد اتفاق اس بنا پر مشکل نہ ہونا چاہئے کہ اُس کی بعض باتیں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہیں، احقاق کا یہ کھوکھلا اُصول غیر پسندیدہ ہے، اور اُس تعصب و تنگ نظری کا مظہر ہے، جس کا ہم عرصہ سے مستشرقین اور اسلام پر لکھنے والے دوسرے اہل علم کو طعنہ دیتے آرہے ہیں۔

حق و ناحق کا صحیح معیار حقائق و واقعات سے مطابقت و عدم مطابقت ہونا چاہئے۔

بہرحال جہاں تک عاجز سمجھ پایا ہے، مصنف کے خیالات اور نتائجِ فکر سے جو اتفاق مشکل نظر آرہا ہے، وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض ہیں، بلکہ اس وجہ سے ہونا چاہئے کہ وہ ٹھوس تاریخی حقائق کے ساتھ دست و گریباں ہیں،

مثلاً مصنف کتاب کی یہ قیاس آرائی کہ اوائل عہد اسلام میں مسلمانوں کی نشاط علمی شاید ادیانِ سابقہ بالخصوص یہودیت کے فیضان کا نتیجہ تھی، حقیقت نفس الامری کے منافی ہے،

نہ تو اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت ملتی ہے، اور نہ یہ تاریخی ارتقا کے اصل الاصول "بقائے اصلح" کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسلام کی بعثت ایک تاریخی وجوب تھی اگر ادیانِ سابقہ خواہ الہامی مذاہب ہوں یا غیر الہامی اسی قابل ہوتے کہ اسلام ان کی خوشہ چینی کرتا، تو ان کے ہوتے ہوئے اسلام کی ضرورت ہی کیا تھی "بقائے اصلح" کے اصول کی ہمہ گیر کار فرمائی نظام کائنات کا ایک اٹل قانون ہے، ہزارۂ اول مسیحی کی ابتدائی صدیاں بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں، ادیان سابقہ کا گوشۂ گمنامی میں جا پڑنا اور اسلام کا ہر طرح کے داخلی اور خارجی موانع کے باوجود دیکھتے ہی دیکھتے معمورۂ عالم کے بڑے حصہ کو بقعۂ نور بنا دینا کسی مانگے کی روشنی کا کرشمہ نہیں ہو سکتا، حقیقت یہ ہے کہ قدیم مذاہب ہوں یا قدیم ثقافتیں اپنی افادیت کے دن پورے کر چکے تھے، مستقبل بقول پروفیسر ہٹی ایک نئے مذہب کا منتظر تھا، مگر یہ نیا مذہب اسلام تھا نہ کہ مسیحیت کیونکہ وہ خود ان مذاہب سے زیادہ فساد اور بگاڑ کا شکار ہو چکا تھا جن کی بیخ کنی کر کے وہ اس طرح پیدا شدہ خلا کو پر کرنے کا مدعی تھا مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

بہرحال مصنف کے بعض افادات محل نظر ہیں، مثلاً فاضل تبصرہ نگار نے باب ہشتم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مصنف نے لکھا ہے کہ . . . . . مسلمانوں کے نزدیک یہ مسلمہ امر تھا کہ ایک انسان کی بڑائی اور معاشرے میں اُس کی تعظیم و توقیر کا معیار صرف علم ہے نہ کہ عالی نسبی، اقتدار اور مال و دولت"

فاضل مصنف کے اس ارشاد پر میں صرف اتنی ترمیم کی اجازت چاہتا ہوں کہ یہ امر (حصول علم) مسلمانوں کے نزدیک صرف مسلمہ امر ہی نہ تھا، بلکہ براہ راست قرآنی تعلیمات سے ماخوذ اور اسلام کی بنیادی تعلیم سے مستفاد تھا، مزید تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسلام میں علم کی اہمیت | اسلام معاشرہ کی درجہ بندی عالی نسبی، اقتدار اور مال و دولت کی

بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ صرف دانائی اور نادانی کی اساس پر کرتا ہے،

قل ھل یستوی الذین یعلمون
والذین لا یعلمون۔[1]

کہہ دیجئے کہ کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں
جانتے دونوں برابر ہیں،

اس کے یہاں عظمت وکرامت کا حق نہ مزعومہ دیوتاؤں کی اولاد کو ہے نہ جبابرۂ روزگار کو اور نہ اہل ثروت کو، اس کے یہاں یہ مرتبۂ بلند صرف اللہ رب العزت سے ڈرنے والے متقین ہی کے لئے مخصوص ہے،

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔[2]

تم میں اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ
ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو

اور خوف وخشیت الٰہی صرف اہل علم "علماء" ہی کا شعار ہے، چنانچہ قرآن کریم نے موکد طور پر (علی طریق القصر بحرف "انما") اس وصف کو صرف علماء ہی میں محصور کر دیا ہے۔

"انما یخشی اللہ من عبادہ
العلماء"۔[3]

بے شک اللہ کے بندوں میں سے علماء
ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا تعارف کسی باجبروت شاہنشاہ کی حیثیت سے نہیں کرایا بلکہ صرف "معلم کتاب وحکمت" کی حیثیت سے کرایا ہے اور اس "معلم کتاب وحکمت" کی بعثت کو مومنین پر اپنا سب سے بڑا کرم بتایا ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین
اذ بعث فیھم رسولا من
انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا
ہے، کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر
بھیجا ہے جو انھیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر

۱؎ زمر۔ ۹ ۲؎ حجرات۔ ۱۳ ۳؎ فاطر۔ ۲۸۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب
والحکمۃ۔[1]

سناتے، ان کو پاک کرتے اور خدا کی
کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔

اسلامی آئیڈیالوجی کی رو سے خلاق کائنات نے انسان کو خلعت وجود سے نوازنے کے بعد سب سے پہلے جس دولت سے مالا مال کیا وہ "علم اسماء" کی دولت تھی اور یہ وہ چیز تھی جس سے ملائکہ بھی تہی دامن تھے،

"وعلم آدم الاسماء کلھا ثم
عرضھم علی الملائکۃ فقال
انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم
صادقین۔ قالوا سبحانک لا
علم لنا الا ما علمتنا انک
انت العلیم الحکیم"۔[2]

اور اس نے (اللہ تعالیٰ نے) آدم کو سب
(چیزوں) کے نام سکھائے، پھر ان کو فرشتوں
کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے
ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ، انھوں نے
کہا تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے
اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک
تو دانا اور حکمت والا ہے،

اس کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے نظام اقدار میں حکمت ہی کو "خیر کثیر" (خیر اعلیٰ Summum Bonum) قرار دیا گیا۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی
خیرا کثیرا۔[3]

اور جس کو حکمت ملی اس کو "خیر کثیر" (بڑی
نعمت) ملی

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو از دیاد جاہ وثروت یا اقتدار میں برتری کے لئے دعا مانگنے کو نہیں کہا اگر حکم دیا تو صرف دولت علم میں فراوانی کے لئے دستِ دعا اٹھانے کا۔

۱؎ آل عمران۔ ۱۶۴ ۲؎ بقرہ۔ ۳۱۔۳۲ ۳؎ بقرہ۔ ۲۶۹

"قل رب زدنی علما" کہو اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر،

لہٰذا اُس کے رسول نے بھی اپنے جان نثاروں کو دولت لوٹنے اور ہوس ملک گیری کو پورا کرنے کی کبھی تعلیم نہیں دی، ہاں کہا تو یہی کہا کہ حکمت تمہاری متاعِ گم گشتہ ہے جہاں ملے بے دریغ لے لو کیونکہ تمہیں اُس کے حقدار ہو۔

کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن	کلمہ حکمت مومن کی متاع گم گشتہ ہے
اینما وجدھا فھو احق بھا[1]	جہاں پائے وہ اُسے لے لینے کا سب سے زیادہ حقدار ہے،

یہی نہیں بلکہ طلب علم کو ان پر فرض گردانا۔

"طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم"

اور حکم دیا کہ اس فرض کی تعمیل میں وہ کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں، خواہ اس کے لیے انہیں اقصائے عالم کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے

اطلبوا العلم ولوکان بالصین	علم کو تلاش کرو ہر چند کہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ملے۔

اس تعلیم کے بعد جس سے ان کا دینی ادب معمور رہے، علم کی عظمت کا ان کے فکری مزاج کا جزو لاینفک بنجانا فطری تھا۔ مگر اس کا حقیقی سبب ان کے دین کی بنیادی تعلیم ہی تھا۔

اسلام۔ تاریخ وحکمت کا درخشاں باب | فاضل تبصرہ نگار نے باب دوم پر تبصرے کے ضمن میں فرمایا ہے۔

"باب دوم عہد اسلام سے متعلق ہے، بقول مصنف یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ہم اندھیرے

[1] جامع ترمذی لابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی۔ المجلد الثانی۔ ابواب العلم ص ۹۳۔

سے دفعتاً روشنی میں پہونچ جاتے ہیں"

اس پر میں اتنی ہی ترمیم کی اجازت چاہونگا کہ یہ محض مصنف ہی کا قول نہیں ہے، بلکہ ایک روشن تاریخی حقیقت ہے۔ اسے فرانز روزنتھال (Franz Rosenthal) کا قول بنا کر اپنی تاریخ اور ثقافتی عظمت کو کیوں اس کا زیر بار احسان بنایا جائے۔

اس روشن تاریخی حقیقت کے دو جز ہیں۔

(۱) چھٹی صدی مسیحی سے عالم اسلام سے باہر کی دنیا کی تاریخ کا وہ دور شروع ہوتا ہے جو قرونِ مظلمہ (Dark Ages) کے نام سے بجا طور پر موسوم ہے۔

(۲) اسی زمانہ میں عالم اسلام علم وحکمت کی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

۱۔ مورخین کا اجماع ہے کہ ۵۲۹ء کے بعد تاریخ عالم کا وہ دور شروع ہوتا ہے، جو بجا طور پر ظلمت وجہالت کا دور ہے، بعثت اسلام کے وقت مشرق ومغرب دونوں پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

خود جزیرہ نمائے عرب جہاں آفتاب ہدایت کی پہلی کرن چمکی، اس منزل سے گزر رہا تھا جو اسلامی تاریخ میں "عہد جاہلیہ" کے نام سے مشہور ہے، اس وقت اہل عرب کے عمائد کو علم کے بجائے اپنے "جہل" پر ناز تھا۔

الا لا یجھلن احد علینا	فنجھل فوق جھل الجاھلینا[1]

ان کے علمی وحکمی کارنامے صرف فصاحت لسانی شعر وشاعری اور خطابت تک محدود تھے، یا پھر کچھ دیسی نجوم کا علم تھا جسے وہ "علم الانواء" کہتے تھے، چنانچہ قاضی صاعد اندلسی (زمانہ پانچویں صدی ہجری) نے لکھا ہے۔

[1] سبع المعلقات۔ معلقہ عمرو بن کلثوم۔

واما علمها الذی کانت تتفاخر به وتباری به فعلم لسانها واحکام لغتها ونظم الاشعار وتالیف الخطب...... وکان للعرب مع هذا معرفة باوقات مطالع النجوم ومغاربها وعلم بانواء الکواکب وامطارها۔[1]

بہر حال عربوں کے وہ علوم جن پر وہ فخر و مباہات کیا کرتے تھے، وہ تھے اپنی زبان اور لغت کا علم، نظم اشعار اور تالیف خطبات.......... اس کے ساتھ عربوں کو ستاروں کے طلوع و غروب کے اوقات کی کچھ واقفیت تھی نیز نچھتروں اور اُن کے دوران میں ہونے والی بارش کا کچھ علم تھا۔

اس کے باوجود اُن کا یہ سرمایہ فخر و مباہات سائنٹفک دقتِ نظری سے محروم تھا، چنانچہ البیرونی ان کے علم الانواء کی (جسے اُن کی ہیئتی خرافات کی معراج کمال سمجھنا چاہیے،) تنقید میں لکھتا ہے۔

وکذالک لو تاملت اسامیهم للکواکب الثابتة لعلمت انهم کانوا من علم البروج والصور بمعزل.... وعلمت انهم لم یختصوا من ذالک باکثر مما یختص به فلاحو کل بقعة۔[2]

اور اسی طرح اگر تم ان ناموں پر غور کرو جو عربوں نے کواکب ثابتہ کے رکھے تھے تو معلوم کر لوگے کہ انھیں بروج و صور کا کوئی علم نہ تھا..... اور یہ کہ عربوں کو فلکیات کا اس سے زیادہ علم نہ تھا، جتنا دوسرے مقاموں کے کسانوں کو ہوتا ہے۔

---

[1] قاضی صاعد اندلسی۔ طبقات الامم ص ۴۸ [2] البیرونی۔ الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ

پھر اس "علم الانواء" کا بدترین پہلو یہ تھا کہ ان کے ڈھکوسلوں میں آکر عرب جاہلیت نے اجرام سماوی کی پرستش شروع کر دی تھی۔ غرض عرب جاہلیت علم و حکمت میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے، رہا حقیقی فلسفہ و حکمت تو اس کی انھیں ہوا بھی نہیں لگی، قاضی صاعد آگے لکھتے ہیں،

فهذا ما کان عند العرب من المعرفة واما علم الفلسفة فلم یمنحهم الله عز وجل شیئًا منه ولا هیأ طبائعهم للعنایة به۔[1]

یہ تھی عربوں کے علم و معرفت کی کل کائنات۔ رہا (سائنٹفک) فلسفہ و حکمت تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے بالکل محروم رکھا تھا اور ان کا مزاج اس قابل ہی نہیں بنایا کہ وہ اس کی طرف توجہ کر سکیں۔

اس سے زیادہ محققانہ تجزیہ ابن خلدون نے کیا۔ "مقدمہ" کی ایک فصل میں وہ کہتا ہے کہ عربوں کی طبعی و نسلی خصوصیات ہی علم و حکمت کے لئے سازگار نہیں ہیں

فصل فی ان العرب ابعد الناس عن الصنائع والسبب فی ذالک انهم اعرق فی البدو وابعد عن العمران وما یدعو الیه من الصنائع۔[2]

فصل اس بات میں کہ عرب نوع انسان میں علم و ہنر سے سب سے زیادہ بے بہرہ ہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ وہ جنگلی پن میں راسخ ہیں اور شہری تمدن کے لیے جن دستکاریوں کی ضرورت ہے اس سے بہت دور ہیں۔

ان کے مغربی ہمسائے انھیں "سراسینس" کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ رہے مشرقی پڑوسی (اہل ایران) تو وہ تو انھیں سرے سے قابل التفات ہی نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ مشہور عرب امیر اور شاعر

---

[1] صاعد۔ طبقات الامم ص ۱۱ [2] ابن خلدون۔ مقدمہ ص ۲۴۳

فردوسی عربوں کی فتح ایران سے مشتعل ہو کر "شاہ نامہ" میں کہتا ہے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسیدہ است کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

لیکن عربوں کے ہمسائے انہیں، جو کچھ کہتے رہے ہوں، ظہور اسلام کے وقت ان کی بھی علمی و ثقافتی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔

عرب کے مشرق میں ایران تھا، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ سے علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے؛ مگر ساسانی حکومت کے آخری دور (جو ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے گزرا تھا) کی علمی و فکری سرگرمیوں کو البیرونی اس تشکیک و ارتیابیت سے تعبیر کرتا ہے جو قوموں کے اندر ذہنی اور فکری جمود و اضمحلال کے بعد طاری ہو جایا کرتی ہے۔ اسلام سے پہلے ایرانی ثقافت کا روشن ترین دور نوشیرواں کا عہد حکومت ہے۔ مگر اس کی علمی سرپرستی پر معاصر مورخ اگاتھیاس کا تبصرہ بہت زیادہ مایوس کن ہے، چنانچہ کرسٹن سین لکھتا ہے:۔

"اگاتھیاس ..... کے نزدیک یہ بات کیسے ممکن ہے کہ ایک بادشاہ جو جنگی اور سیاسی معاملات میں اس قدر مصروف ہو، یونانی اور رومی ادبیات کی لفظی و معنوی خوبیوں کو بہ نظر غائر دیکھ سکے، بالخصوص جب کہ اس کے پیش نظر یونانی کتابوں کے صرف وہ ترجمے ہوں جو بقول اس کے ایک انتہائی درجہ کی ناشائستہ زبان میں کئے گئے ہوں، یورنیوس جو ..... خسرو کو فلسفہ پڑھاتا تھا، اگاتھیاس کے نزدیک ایک جاہل اور فریبی شخص تھا۔"[1]

عربوں کے مغربی ہمسایوں میں سے مغربی یورپ کی ثقافتی حالت کے بارے میں پروفیسر تھلی

---

١ کرسٹن سین - ایران بعہد ساسانیاں۔ ص، ۵۴۔

(Thilly) لکھتا ہے۔

"ساتویں اور آٹھویں صدی غالباً ہماری مغربی یورپ کی تہذیبی تاریخ کا بدترین زمانہ ہے، یہ انتہا جہالت اور بربریت کا عہد تھا، جس کی تباہ کاریوں اور غارت گریوں کے اندر کلاسیکی دور ماضی کے ادبی اور فنون لطیفہ کے کارنامے گم ہو کر رہ گئے تھے۔"[1]

اس عہد تاریک کا یورپ جہالت و پسماندگی کی اندھیری کوٹھری بنا ہوا تھا، چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے۔

"یورپ کے ان قدیم باشندوں کے بارے میں مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بربریت و وحشت کی منزل سے آگے ترقی کر چکے تھے، ان کے بدن ناپاک تھے، دماغ توہمات سے بھرے ہوئے تھے، یہ لوگ مزاروں کی کرامات اور جھوٹے ادعائی تبرکات کے متعلق ہر قسم کے بے سروپا افسانوں پر اعتقاد کامل رکھتے تھے۔"[2]

رہا مشرقی یورپ جہاں بازنطینی سلطنت قائم تھی، بے شک کسی زمانے میں علم و حکمت کا سرچشمہ رہ چکا تھا، مگر ظہور اسلام سے پہلے یہاں بھی حکیمانہ فراخ نظری کے بجائے تعصب و تنگ نظری کا دور دورہ شروع ہوا۔ افلاطون و ارسطو کی روشن خیالی نے نو فلاطونیوں کی توہم پرستی اور تنگ نظری کی شکل اختیار کر لی تھی، ولیم نیسل لکھتا ہے،

"یہ فلسفی متعدد دیوتاؤں کی پرستش کے آخری حامی تھے، لیکن کثرت پرستی نے ان کے ہاں فلسفیانہ توجیہ اختیار کر لی تھی۔"[3]

---

١ The lly Hustory of Philosphy. P.142

٢ Draper History of Intellectual Develo-

pment of Europe vol.11 P.30 ٣ ولیم نیسل مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۳

ان متاخر فلاسفۂ یونان میں سب سے اہم نو افلاطونی جماعت تھی، جس کا معلمِ اوّل فلاطینوس (Plotinus) تھا۔ مگر اپنی دانشمندی اور حکیمانہ روشن خیالی کے باوجود وہ بھی مروجہ توہم پرستی کا علمبردار تھا، ولیم نیسل اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

"وہ روایات اور دیومالا کے دیوتاؤں کی ایسی تاویل کرتا ہے کہ اس کا اطلاق اس کے نظامِ تعلیم پر ہو سکے ...... بتوں کی پوجا، پیشین گوئی، دعا اور جادو وغیرہ کی عقلی توجیہ وہ تمام اشیاء کے باہمی تاثیر و تاثر سے کرتا تھا"[۱]

فلاطینوس کا شاگرد رشید فرفوریوس (Porphyry) تھا۔ اس کے بارے میں پروفیسر تھلی لکھتا ہے۔

"وہ تزکیۂ نفس کے لئے ریاضت و مجاہدہ اور قومی مذہب پر اپنے استاد سے بھی زیادہ زور دیتا ہے اور ہر طرح کے توہم پرستانہ معتقدات و اعمال کا قائل ہے، جیسے بھوت پریتوں کا عقیدہ، پیشین گوئی، مورتی پوجا، جادو ٹونا وغیرہ"[۲]

اس مزعومہ حکیمانہ روشن خیالی کا سب سے بڑا علمبردار ایامبلیخس (Jamblichus) تھا۔ اس کے بارے میں ولیم نیسل لکھتا ہے۔

"ایامبلیخس کے یہاں فوق الارضی دیوتاؤں کے علاوہ ارضی دیوتا بھی ہیں ...... ان کے بعد جنات، ملائکہ اور ابطال آتے ہیں، قومی دیوتاؤں کو بھی وہ اس دینی نظام میں جگہ دیتا ہے۔ بتوں کی پوجا، جھاڑ پھونک، جادو، پیشین گوئی وغیرہ کی بھی وہ اسی قسم کی توجیہ کرتا ہے"[۳]

---

۱ ولیم نیسل۔ مختصر تاریخ فلسفۂ یونان ص ۲۱۵

۲ Thilly, History of Philosophy, P.118

۳ ولیم نیسل۔ مختصر تاریخ فلسفۂ یونان، ص ۲۱۸

ظاہر ہے کوئی تہذیب توہم پرستی کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا اسے بچانے کے سلسلے میں نو فلاطونی حکماء کی سعیٔ پیہم کے علی الرغم یونانی تہذیب و ثقافت کا خاتمہ وقت کی اہم ضرورت تھی، چنانچہ پروفیسر تھلی لکھتا ہے۔

"لیکن اب اس فلسفہ میں کوئی جان نہیں رہ گئی تھی۔ قدیم شرک و کثرت پرستی میں جان ڈالنے اور پرانی تہذیب کو بچانے کے سلسلے میں اس کی تمام کوششیں بے سود تھیں، یہ فلسفہ اپنی افادیت کھو چکا تھا، مستقبل نئے مذہب کا منتظر تھا، جس کے خلاف اس فلسفہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا"[۱]

لہٰذا انجام کار ۵۲۹ء میں قیصر جسٹینان نے ایتھنز کے مدرسۂ فلسفہ میں تالا ڈالکر اور فلاسفہ کو جلاوطن کر کے قدیم یونانی علم و حکمت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔[۲]

مگر اس سے بھی صورت حال کی اصلاح نہ ہو سکی۔ پروفیسر تھلی کے خیال میں مستقبل نئے مذہب کا منتظر تھا، جس سے فاضل پروفیسر کا اشارہ "مسیحیت" کی طرف ہے مگر یہ نیا مذہب اپنے بت پرست پیشرووں (یونانی حکمت کے پیرووں) سے بھی زیادہ توہم پرست، عقلیت بیزار اور علم و حکمت آزار ثابت ہوا، رومن امپائر کی اگلی دو سو سال کی تاریخ مذہبی تشدد، تنگ نظری اور فرقہ وارانہ منافرت کی مسلسل داستان ہے، پادریوں نے مندروں کے ساتھ فلسفہ کے مدارس کو بھی اپنے تعصب اور تنگ نظری کا نشانہ بنایا، ان کے ایماء سے فلاسفہ پر حملہ ہوا، اس تعصب و تنگ نظری کا سب سے گھناؤنا واقعہ اسکندریہ کی نو فلاطونی جماعت کی صدر عقیل و فہیم پائی پیشیہ (Hypatia) کا دردناک قتل تھا (۴۱۵ء)[۳]

---

۱ Thilly: History of Philosophy, P.119

۲ Weber: History of Philosophy, P. 142.

۳ ولیم نیسل۔ مختصر تاریخ فلسفۂ یونان ص ۲۲۵

پادریوں کے تعصب و عقلیت بیزاری نے اسی پر بس نہیں کیا، اُنھوں نے علم و حکمت کی ترقی کو بھی قانوناً بند کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کی تنگ نظری نے منطق جیسے علم کو بھی جو معقولیت پسندی کی اساس ہے نہیں بخشا۔[1] ایسے ہمت شکن حالات میں علم و حکمت کا باقی رہنا ناممکن تھا، بقول ماکس مایرہوف،

"اس زمانہ میں کسی عام مدرسہ فلسفہ کا وجود فرض کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ اس وقت سے مذہبی تعصب بڑھتا گیا، اور اس نے وحشتی معلمین و تلامذہ کے لئے زندگی دشوار کر دی۔"

لہذا ایتھنز کے مدرسۂ فلسفہ کی قفل بندی کے بعد کوئی نام کا بھی عالم پیدا نہیں ہوا، چنانچہ ایم ڈی دلف لکھتا ہے،

"نو فلاطونیت کے آخری علمبردار تاسطیوس اور برقلس وغیرہ کے بازنطینہ (مشرقی رومن امپائر) کے ساتھ تعلقات آمد و رفت تھے لیکن ان کے بعد آٹھویں صدی مسیحی سے پہلے ہمیں وہاں کوئی قابل ذکر نام نہیں ملتا۔"[2]

ساتویں صدی میں ہرقل نے قدیم علمی عظمت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی مگر یہ کوشش بے کار ثابت ہوئی، ایم۔ ڈی۔ دلف لکھتا ہے،

مشرق کے مسیحی شاہنشاہوں نے فلسفہ کا مدرسہ جاری کرنے کی کئی بار کوشش کی تاکہ نیا دارالسلطنت ایتھنز اور اسکندریہ کا حریف بن جائے۔ ...... ۶۱۸ء میں شاہنشاہ ہرقل نے اسکندریہ کے ایک استاد کو قسطنطنیہ بلایا تاکہ اس کی تعلیم سے بازنطینی ذہانت و فطانت اپنے جمود سے بیدار ہو جائے، مگر یہ سعی لاحاصل ثابت ہوئی۔

[1] ابن ابی اصیبعہ - طبقات الاطباء، جلد ثانی ص ۱۳۵ ، [2] M. De Wulf - Mediveal Philosophy, P. 323

متوقعہ بیداری کو ظہور میں آنے کے لئے ابھی نسلہا نسل درکار تھیں۔"[1]

غرض مدرسہ ایتھنز کی قفل بندی کے بعد سے یورپ کی تاریخ میں وہ زمانہ شروع ہوا جو قرون مظلمہ (Dark Ages) کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ اس زمانہ کے یورپ کی علمی و ثقافتی حالت کے بارے میں ایک فرانسیسی مورخ لکھتا ہے۔

"۵۲۹ء سے لے کر جب کہ قیصر جسٹینیان نے یونانی مدارس کو بند کر دیا تھا، ۱۶۳۷ء تک جبکہ ڈیکارٹ کی مقالات بر مناہج، شائع ہوئی، ذہن انسانیت نے غور و فکر کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، یا یوں کہیئے کہ علم و حکمت کے اہم مسائل کو تخییل و ذہانت کے حضور میں لانا ہی بند کر دیا تھا۔"[2]

اسی طرح قرون وسطیٰ کے علمائے مغرب کی مساعی فکریہ کے باب میں ایم۔ ڈی۔ دلف نے دوسرے مورخین کے اقوال بدیں طور نقل کئے ہیں،

مثال کے طور پر ٹین کا خیال ہے کہ تیرہویں صدی کے فحول علمائے مغرب کا زمانہ محض نالائقوں کا زمانہ ہے، جو نفرت و حقارت کے سوا کسی اور بات کا مستحق نہیں ہے، اس تاریک عرصہ کی تہہ میں جو تین صدیاں گذری ہیں، انھوں نے انسان کے عقلی ورثہ میں ایک نئے تصور کا بھی اضافہ نہیں کیا، دوسرے لوگوں کی رائے ہے کہ قرون وسطیٰ کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے، یہ لوگ اس زمانہ کو انسانیت کے لئے موجب ننگ و عار سمجھتے ہیں۔"[3]

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت یورپی معاشرے میں علم و ثقافت کی قیادت پادری طبقہ

[1] M. De Wulf: Scholasticism old and New, P. 6 [2] ibid, P. 12 [3] ibid, P. 5

کے ہاتھ میں تھی، جس کے متعلق بیکن (Bacon) کہتا ہے۔

"ان کے علوم نے رو بانحطاط ہو کر اس طرح بے کار اور غیر صالح مباحث کی شکل اختیار کر لی تھی، جس طرح کوئی عضویہ سڑ کر متعفن ہو جاتا ہے۔"[۵۱]

۲۔ تصویر کا دوسرا رخ۔ مگر اسی "عہد تاریک" میں ربع مسکون کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جو علم و حکمت کی روشنی سے جگ مگ کر رہا تھا، یہ "سراسینس" کا ملک تھا، جو مشرق تاباں بنا ہوا تھا، "نبی اُمی" کی اُمت کا ملک تھا، جس کا ہر فرد بجائے خود افلاطون و ارسطو طالیس اقلیدس و بطلیموس اور بقراط و جالینوس کے اغلاط کی تصحیح کر رہا تھا، یورپی ظلمت و تاریکی اور اسلامی تنویر" کا موازنہ ڈریپر نے کتنا صحیح کیا ہے۔

"یورپ کے ان قدیم باشندوں ...... کے بدن ناپاک تھے، دماغ توہمات سے بھرے ہوئے تھے، یہ لوگ مزاروں کی کرامات اور جھوٹے ادعائی تبرکات کے متعلق ہر قسم کے بے سروپا افسانوں پر اعتقاد کامل رکھتے تھے، (اس کے مقابلے میں اندلس کی اسلامی تہذیب کس قدر خوش آیند معلوم ہوتی ہے) جب کہ ہم یورپ کے جنوبی مغربی گوشہ (اسپین) پر نظر ڈالتے ہیں جہاں بالکل ہی مختلف حالات کے تحت علم و حکمت کے انوار تاباں کی روشنی پھوٹی پڑ رہی تھی، مغرب میں ہلال (اسلامی تہذیب) بدر کامل بن کر مشرق کی طرف جانے والا تھا۔"[۵۲]

دوسرے مقام پر یہی مصنف مسلمان حکمرانوں کی علمی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"جونہیں عربوں کو اسپین میں مضبوطی سے قدم جمانے کا موقعہ ملا وہیں انھوں نے

---

۵۱ Draper, History of intell-ectual Development of europe, Vol II, P.42
۵۲ Ibid, P.4

ایک روشن دور کا آغاز کیا ...... قرطبہ کے امیروں نے خود کو علم و ادب کا سرپرست بنا کر ممتاز کر لیا اور ذوق سلیم کی ایک ایسی مثال قائم کر دی جو یورپ کے دیسی حکمرانوں کی حالت کے بالکل برعکس تھی۔"[۵۳]

اس کے بعد وہ ان کی علمی سرپرستیوں کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے۔

"انھوں نے بڑے بڑے شہروں میں لائبریریاں قائم کیں، کہا جاتا ہے کہ ستر سے زیادہ لائبریریاں اس زمانہ میں موجود تھیں، ہر مسجد کے ساتھ ایک عوامی مکتب ہوتا تھا، جہاں غریبوں کے بچوں کو نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی، صاحب استطاعت لوگوں کے لئے اعلیٰ مدارس تھے، جہاں ایک بڑا عالم صدر ہوتا تھا، قرطبہ، غرناطہ اور دوسرے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں تھیں۔ ان یونیورسٹیوں میں بعض پروفیسر ...... ریاضی و ہیئت کی تعلیم دیتے تھے ...... ان کے علاوہ مخصوص فنون کے واسطے خصوصی مدارس تھے، بالخصوص طب کے لئے۔"[۵۴]

ایک اور فاضل کارادی وو (Cara de vaux) لکھتا ہے۔

"عربوں (مسلمانوں) نے اس زمانہ میں اعلیٰ تعلیم اور علم و حکمت کے مطالعہ کو زندہ رکھا جب کہ مسیحی مغرب بربریت جہالت کے خلاف جان توڑ لڑائی کر رہا تھا، ان کی علمی سرگرمیوں کا عہد نویں دسویں صدی میں متعین کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کی یہ سرگرمیاں پندرہویں صدی تک جاری رہیں، بارہویں صدی کے بعد ہر وہ شخص جسے علم و حکمت کا ذرا سا بھی شوق ہوتا یا حصول علم کی تھوڑی سی بھی خواہش ہوتی تو

---

۵۳ Draper, History of Intellectual Development of Europe Vol. II, P.36
۵۴ ibid, P.30

وہ یا مشرق کا سفر کرتا یا اسپین کا۔"[1]

اور اس زمانہ میں۔

"اسپین کی (اسلامی) یونیورسٹیاں اقطاع یورپ کے علمائے دینیات سے بھری رہتی تھیں، پیٹر دی دینریبل ۔ ۔ ۔ ۔ بیان کرتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اسپین پہونچا تو اس نے دیکھا کہ یورپ حتیٰ کہ انگلستان کے بہت سے تعلیم یافتہ اشخاص وہاں ہیئت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔"[2]

اس کا نتیجہ تھا کہ اس زمانہ کے لوگ عالم اسلام کے علمی سفر کو تمغائے فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے۔

"دسویں صدی مسیحی ہی سے جن لوگوں کو حصول علم کا شوق ہوتا، یا تہذیب و ثقافت کا ذوق رکھتے، وہ ہمسایہ ممالک سے اسپین پہونچتے اور بعد کے زمانہ میں تو اس رسم پر لوگوں کا عمل بہت زیادہ بڑھ گیا، بالخصوص جب گربرٹ نے اپنی غیر معمولی ترقی سے ایک شاندار مثال قائم کر دی، کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، وہ قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹی ہی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پوپ کے عہدہ پر فائز ہوا تھا۔"[3]

مگر مسلمانوں کے علمی ماضی کی تابانی و درخشانی اغیار کی شہادتوں کی رہین منت نہیں ہے، وہ ایک واقعہ نفس الامری ہے، شہر تو شہر رہے گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ میں علم و حکمت کی فراوانی تھی، نہ صرف علوم دینیہ و ادبیہ ہی کے علماء کی کثرت تھی، علوم عقلیہ کے ماہرین بھی، جنھوں نے عالمی سائنس کی تاریخ میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، اپنے اپنے مخصوص علوم و فنون کی ترقی میں سرگرم عمل تھے، ان کے "نام" اور "کام" کی تفصیل دفاتر و مجلات

---

[1] Arnold: Legacy of Islam. P.377

[2] Draper, History of Intellectual Deve-lopment of Europe vol. II, P.30

[3] Ibid, P.36

کی مقتضی ہے، مثال کے طور پر خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ مطابق ۱۰۷۰ء) نے اپنے عہد تک کے مشاہیر علمائے بغداد کا تذکرہ چودہ جلدوں میں لکھا ہے، اسی طرح اور شہروں کے فضلائے نامدار کے تذکرے متعدد جلدوں میں مرتب کئے گئے، بڑے شہروں کا تو ذکر ہی کیا، معمولی شہروں کے علماء کے تذکرے کئی کئی جلدوں میں لکھے گئے۔ جرجان کوئی بڑا شہر نہیں تھا مگر ابوالقاسم حمزہ بن یوسف (المتوفی ۴۲۷ھ مطابق ۱۰۳۵ء) نے وہاں کے مشاہیر علماء کا تذکرہ کتاب "معرفۃ علماء اہل جرجان" کے نام سے مرتب کیا۔ یہ تذکرہ شائع ہو چکا ہے، اور اس میں ۱۱۹۴ علماء کے تراجم ہیں۔ مختلف مقامات کے فضلاء کے علاوہ بعض تذکرہ نگاروں نے مختلف صدیوں کے مشاہیر علماء و فضلاء کے تراجم مرتب کئے جیسے امام یافعی (المتوفی ۷۶۸ھ مطابق ۱۳۶۶ء) کی "مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان" ابن حجر عسقلانی کی "الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ" امام سخاوی کی "الضوء اللامع" عبدالقادر عیدروس کی "النور السافر فی اعیان القرن العاشر"۔ دوسرے اہل قلم نے مشاہیر کے تذکرے لکھے جیسے ابن خلکان کی "وفیات الاعیان" ابن شاکر کتبی کی "فوات الوفیات" صفدی کی "الوافی بالوفیات" بعض تذکرہ نگاروں نے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کے مستقل تذکرے مرتب کئے جیسے ابواسحاق شیرازی کی "طبقات الفقہاء" سبکی کی "طبقات الشافعیہ" عبدالقادر حنفی کی "الجواہر المضیۃ" ابن فرحون کی "الدیباج المذہب" یاقوت کی "معجم الادباء" سیوطی کی "بغیۃ الوعاۃ" بیہقی کی "تتمہ صوان الحکمہ" ابن القفطی کی "تاریخ الحکماء" ابن ابی اصیبعہ کی "عیون الانباء فی طبقات الاطباء"۔

یہ فہرست مشتے "نمونہ از خروارے" کی نہیں، بلکہ "قطرہ از بحر ناپیداکنار" کی مصداق ہے اور پھر تذکرہ و تراجم کی کتابیں ہی سب کی سب ہم تک کہاں پہونچی ہیں، پھر بھی اس اجمالی ذکر سے علمائے اسلام کی کثرت اور اسلام میں علم و حکمت کی فراوانی کا

بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کتنا عجیب مگر واضح تضاد ہے کہ جس زمانہ میں گربرٹ ریوپ سلوسٹر دوم، شہر روم میں (جو اس وقت دنیائے مسیحیت کا مرکز تھا) پڑھے لکھے لوگوں کی کمیابی نہیں بلکہ نایابی کا شکوہ کر رہا تھا، اسی زمانہ میں ابن عساکر دمشقی (المتوفی ۵۷۱ھ مطابق ۱۱۷۵ء) جملہ علمائے اسلام کے نہیں بلکہ ان کے ایک محدود طبقہ متکلمین اشاعرہ کے تراجم کے استقصاء کی ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہوسکنے کی معذرت فرمارہے تھے کہ نہ میرے لیے آسمان کے ستاروں کا گننا ممکن ہے، اور نہ ان نفوس قدسیہ کا احصار میرے بس کی بات ہے، پوپ سلوسٹر دوم نے بشپ آف اور لینز کے لئے جو تقریر مرتب کی تھی، اس میں لکھا تھا۔

There is not one at Rome, it is notorious, — Who Knows enough of letters to qualify Him for a door Keeper; with what Face he presumes to teach, Who has never learned.) (35)

[یہ امر قابل غور ہے کہ شہر روم میں کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو اتنا پڑھا لکھا ہوا ہو کہ دربان کے کام کو انجام دینے کا اہل ہو، جس شخص نے کبھی خود نہیں پڑھا، وہ کیا منہ لے کر دوسروں کو پڑھانے کا دعویٰ کریگا۔]

اور ابن عساکر معذرت فرمارہے تھے،

Draper: History of Intellectual Development of Europe Vol. II, P. 4 -

ومن لم اذكر منهم اكثر ممن ذكرت ..... ولولا خوفي من الاملال للاسهاب وايثاري الاختصار لهذا الكتاب لتتبعت ذكر جميع الاصحاب واطنبت من مدحهم غاية الاطناب ولكنت اكون بعد بذل الجهد فيه مقصرا من تقصيري بالاخلال بذكر كثير منهم مقتصرا فكما لا يمكنني احصاء نجوم السماء كذالك لا اتمكن من استقصاء ذكر جميع العلماء مع ..... مع كثرة المشتهرين في البلدان والامصار[1]

اور جن لوگوں کا میں نے ذکر نہیں کیا وہ ان سے زیادہ ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے .... اور اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری طول بیانی قارئین کی ملالت طبع کا باعث بن جائے گی اور میں نے اس کتاب کی تصنیف میں اختصار کو اصول نہ بنا لیا ہوتا تو میں خود جملہ اصحاب کا ذکر کرتا اور ان کی تعریف و توصیف میں اطناب برتتا اور پھر بھی اتنی کوشش فراواں کے باوجود کوتاہ کار رہتا اور اس بات کا معذرت گزار کہ بہت سے فضلاء کے ذکر میں مجھ سے فروگزاشت ہوئی ہے کیونکہ جس طرح میرے لیے آسمان کے ستاروں کا گننا ناممکن ہے اسی طرح میں تمام علمائے (اشاعرہ) کے ذکر کے استقصاء پر قادر نہیں ہوں .... کیونکہ ان میں سے بہت سے مشاہیر بیرونی شہروں میں رہے ہیں۔

اس واضح اور ناقابل تردید تضاد کے بعد تاریخ زبان حال سے پکار اٹھتی ہے،

[1] ابن عساکر دمشقی، تبیین کذب المفتری، ص ۳۳۰

"یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ہم اندھیرے سے دفعتہً روشنی میں پہونچ جاتے ہیں"۔

اور روشن تاریخی حقیقت کی تصدیق کے لیے نہ کسی گولڈ زہیر یا مارگولیوتھ کی ضرورت ہے، نہ کسی گستاولی بان یا فرانز روزنتھال کی۔

یورپی تعصب و تنگ نظری اب اگر یورپ کا پندار قومی اس حقیقت باہرہ کے اعتراف سے شرماتا ہے تو شرماتا رہے، بقول گستاؤلی بان۔

"بعض اشخاص کو اس خیال سے شرم آتی ہے کہ وحشیانہ معاشرت سے عیسائی یورپ کے نکلنے کا باعث ایک کافر (مسلمان) قوم ہوئی، یہ خیال ان کے لئے اسقدر تکلیف دہ ہے کہ اس کا آسان ترین علاج اس حقیقت سے مکر جانا اور سرے سے انکار کر دینا ہی ہے"۔

کیونکہ تاریخی حقائق کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتے جیسا کہ ڈریپر کہتا ہے۔

"مجھے اس منظم انداز حقیقت پوشی پر اظہار افسوس کرنا ہے، جس طرح یورپ کے لٹریچر نے کوشش کی ہے کہ علم و حکمت کے باب میں ہم مسلمانوں کے جسقدر ممنون احسان ہیں اسے نظروں سے اوجھل رکھا جائے، مگر ان حقائق کو زیادہ عرصہ تک نہیں چھپایا جا سکتا .... مسلمانوں نے یورپ پر اپنے علمی احسانات کے دیرپا نشانات چھوڑے ہیں اور وہ وقت دور نہیں کہ دنیائے مسیحیت کو ان کا اعتراف کرنا پڑے گا"[1]

اسی "منظم انداز حقیقت پوشی" کی طرف، جس کا ڈریپر نے شکوہ کیا ہے، مشہور مورخ

---

[1] Draper: History of Intellectual Development of Europe vol. II, P. 42.

ریاضیات کاجوری نے اشارہ کیا ہے۔

"پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ عربوں (مسلمانوں) نے ریاضیات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، لیکن حالیہ تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ انھیں ان بیش نظریات کا شرف ملنا چاہئے جو اس سے پہلے بعد کے لوگوں (اہل یورپ) کی دریافت سمجھے جاتے تھے"[1]

یہاں بھی ہم کاجوری کے اس اجمالی تبصرے کا سہارا نہیں لیتے، بلکہ قدیم اور جدید دریافتوں کا تقابلی مطالعہ اس دعوے کا شاہد عدل ہے، مثلاً علم المثلثات الکرویہ کا یہ اہم مسئلہ کہ۔

$$\frac{\sin A}{\sin a} = \frac{\sin B}{\sin b} = \frac{\sin C}{\sin c}$$

آج انگریز ریاضی دان نیپر کی دریافت سمجھا جاتا ہے، اور اس کے نام پر Napier's Analogy کہلاتا ہے۔ مگر ابوریحان البیرونی نے اپنے رسالہ "مقالید علم الہیئۃ" میں اور نیپر سے تین سو سال قبل محقق طوسی نے "شکل القطاع" میں تصریح کی ہے کہ یہ ابو نصر بن عراق (المتوفی ۴۰۷ھ مطابق ۱۰۱۶ء) یا ابو الوفاء البوزجانی (المتوفی ۳۸۶ھ مطابق ۹۹۶ء) کی دریافت ہے۔

اصل دعاویہ ان نسب	اس شکل کا اصل دعویٰ یہ ہے کہ سطح
جیوب اضلاع المثلثات	کرہ میں دوائر عظام کی قوسوں کے
الحادثۃ من تقاطع القسی	تقاطع سے جو (کروی) مثلثات پیدا
العظام فی سطح الکرۃ	ہوتے ہیں، ان کے (قوسی) اضلاع
کنسب جیوب الزوایا	کی جیوب اور ان اضلاع کے سامنے
الموترۃ بہا	والے زاویوں کی جیوب متناسب ہوتی ہیں

---

[1] Cajori, F. History of Mathematics, P. 112.

وابتدأت بطرق الامير ابی نصر علی بن عراق فان الغالب علی ظن ابی الریحان انه السابق الی الظفر باستعمال هذا القانون فی جمیع المواضع وان کان لکل واحد من الفاضلین ابی الوفاء محمد بن محمد البوزجانی و ابی محمود حامد بن الخضر الخجندی ادعیا لسبق
ایضاً فیہ" (شکل القطاع للمحقق الطوسی - مقالہ خامسہ فصل خامس. ص ۱۰۰)

[مثلاً اگر کرہ پر ایک کروی مثلث ا ب ج ہو تو
جیب قوس ب س = جیب قوس ا س = جیب قوس ا ب
جیب زاویہ ب ا س = جیب زاویہ اب س = جیب زاویہ ا س ب]
میں نے اس توضیح میں امیر ابو نصر علی بن عراق کے طریقوں سے ابتدا کی ہے کیونکہ ابو ریحان بیرونی کا غالب گمان یہ ہے کہ تمام ضروری مسائل میں اس ضابطہ کو استعمال کرنے کی دریافت کا سہرا اسی (ابو نصر بن عراق) کے سر ہے۔ اگرچہ دو سرے دو فاضل ابو الوفا محمد بن محمد بوزجانی اور ابو محمود حامد بن خضر خجندی بھی اس ضابطہ کی دریافت میں مسابقت کے مدعی ہیں۔

مگر جب نیپر (Napier) نے اپنی کتاب (Analogies) ۱۸۱۵ء میں شائع کی تو اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا آرٹیکل نویس "Napier" اس کے تذکرہ میں لکھتا ہے۔

"Napier ....(1550-1617).....is also credited with certain trignometrical relations-Nap-ies" (Encyc. Brit. Vol. 15. P. 1175)

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

اس طرح "اصول اقلیدس" کے مصادرہ توازی خطوط (Parallel Postulate) کا بدل کہ
"دو متقاطع خطوط مستقیم ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے"
چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی مسیحی) میں ابن الہیثم نے دریافت کیا تھا، چنانچہ محقق طوسی نے "الرسالہ الشافیہ" میں لکھا ہے،

اما المقدمة التی زعم انها ابین عند الحس واوقع فی النفس من هذه المصادرة واستعملها فی المواضع التی یحتاج فیها الی تلك المصادرة بدلا عنها فهی ان الخطین المستقیمین المتقاطعین لا یمکن ان یوازیا خطا واحدا مستقیما" (الرسالہ الشافیہ مشمول رسائل طوسی جلد دوم صفحہ ۵)

وہ مقدمہ (مصادرہ) جسے اس (ابن الہیثم) نے گمان کیا ہے کہ وہ اقلیدس کے پانچویں (یا بارہویں) مصادرے کے مقابلے میں حس کے نزدیک زیادہ واضح اور ذہن میں جلدی اُتر جانے والا ہے اور جسے اس نے اُن مقامات میں، جن کا ثبوت اقلیدس کے بیان کئے ہوئے مصادرہ (توازی خطوط) کا محتاج تھا، اقلیدس کے مصادرہ کے بجائے استعمال کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:
دو متقاطع خطوط مستقیم ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے۔

مگر بعد میں انگریز ریاضی دان پلے فیر نے اسے ہتھیا لیا اور جب ۱۷۹۵ء میں اقلیدس کا نیا ایڈیشن شائع کیا تو اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

A new axiom is introduced in the room of The 12th For The purpose of Demonstrating more easily some of The properties of paeallel lines.

یہ نیا علوم متعارفہ پلے فیر کے اپنے لفظوں میں حسب ذیل تھا:۔

Two st. Lines which Intersect one another can not be parallel to the same st. Line."

اور پھر اس کے ہم وطنوں کے تعصب نے اس پر مہر توثیق ثبت کر دی، چنانچہ کے لے (Calay) جیسے سنجیدہ اور ذمہ دار ریاضی داں نے بھی ۱۸۳۲ء میں برٹش ایسوسی ایشن کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

'My own view is that Euclids twelfth axiom-in play Fair's Form of it does not need-demonstration, but is part of our notion-of space, of physical Space of our experience."

اسی طرح مثلث کے رقبہ کا ضابطہ ($AABC = S(S-\alpha)(S-B)(S-C$
where $S = \frac{a \times b \times c}{2}$
جس نے سر وے کے کام کو بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے۔ بنو موسیٰ (زمانہ تیسری صدی ہجری یا نویں صدی مسیحی کا وسط) کی دریافت ہے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنی تصنیف "معرفة مساحة الاشکال البسیطة والکریة" میں بیان کیا ہے۔

کل مثلث اذا ضرب نصف
جمیع اضلاعه علی کل ضلع من

اگر کسی مثلث میں اُس کے اضلاع
کے مجموعے کے نصف کو اُس نصف اور

اضلاعه بان یضرب فی نفضله
علی احد اضلاعه ثم فی ثانیها
ثم فی ثالثها کان الحاصل مساویاً
لضرب تکسیرہ فی نفسه"
(مساحة الاشکال مشمولہ رسائل طوسی
جلد ثانی۔ صفحہ ۹)

ایک ضلع کے فرق کے ساتھ ضرب دیا
جائے اور پھر.. حاصل ضرب کو
اُس نصف اور دوسرے ضلع کے فرق میں
ضرب دیا جائے تو پھر اس نئے حاصل
ضرب کو اس نصف اور تیسرے ضلع کے فرق میں
ضرب دیا جائے تو آخری حاصل ضرب مثلث کے رقبہ کے"

اور اس باب کی تخصیص کہ یہ ضابطہ خود بنو موسیٰ کی اپنی دریافت ہے، انھوں نے کتاب کے آخر میں کر دی ہے۔

"وکل ما وصفنا فی کتابنا
فانه من عملنا"
(کتاب بالا صفحہ ۲۵)

اور جو کچھ ہم نے اپنی کتاب میں بیان
کیا ہے، وہ ہماری ہی دریافت ہے
(سوائے دائرہ کے قطر اور محیط کی
نسبت اور دو مقداروں کے درمیان
دو اور مقداروں کی دریافت کہ چاروں
نسبت متوالیہ میں ہوں)

مگر ہمارے "محققین" نے اس دریافت کو ایرن (Heron) کے کھاتے میں ڈالدیا کہ کہیں اسکا شرف سبقت اس کے حقدار مگر مسلمان دریافت کنندہ کو نہ پہونچ جائے، حالانکہ بنو موسیٰ کی اس کتاب کا لاطینی ترجمہ جسے جیرارڈ آف کریمونا نے کیا تھا، ان "محققین" کے سامنے تھا۔

یہ محض منظم انداز حقیقت پوشی نہیں ہے، بلکہ کھلا ہوا علمی ڈاکہ ہے۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اقبال کا فکری ارتقا

پر

تعاقب و تصحیح اور اقبال کی ابن سینا کے مزعومہ فلسفۂ عشق کی تشریح

از جناب مولانا عبد السلام خان رام پوری، سابق پرنسپل مدرسۂ عالیہ رام پور

(۲)

شیخ اور جمادات، نباتات و حیوانات کا عشق | رسالۂ عشق کی پہلی فصل میں شیخ نے ثابت کیا ہے کہ حقائق مدبرہ یا نفوسِ ارضی کی ہستی عشق کا کرشمہ ہے، اور خود واجب تعالیٰ بھی عشق سے الگ نہیں، وہاں عاشق، معشوق، عشق اور وجود سب ایک ہی ذات کے مختلف نام ہیں۔ اس فصل کے ضروری اور متعلق اقتباسات میں پہلے نقل کرچکا ہوں۔ دوسری فصل بے جان اور بے ترکیب چیزوں میں عشق کے وظیفے اور عمل سے متعلق ہے، تیسری اور چوتھی فصل میں نباتات و حیوانات میں عشق کے وظیفے اور عمل بیان کیے ہیں، چھٹی فصل انسانی اور ملکوتی عشق کی غرض و غایت اور ساتویں عام موجودات میں اس کی غرض و غایت کی تفصیل ہے،

بے جان اور بے ترکیب چیزوں کی شیخ نے تین قسمیں بیان کی ہیں، ابتدائی مادہ، صورت اور عرض، شیخ کے نزدیک مفرد جسم کی ساخت صرف دو[2] جزوں کی ترکیب کی مرہون ہے،

عرض جسم کی ساخت سے خارج ہے جب کہ صورت اس کی ساخت کا ضروری جز ہے، عرض اور صورت کا یہی بنیادی فرق ہے، جس کی وجہ سے صورت جسم کا اندرونی جوہر ہے، اور عرض جسم کی بیرونی خصوصیت، مثلاً برقیوں کی خاص خاص تعدادوں اور ان کے خاص خاص نواتی (مرکزی) وزنوں سے ذرات کی صورت نمایاں ہوتی ہے، مادہ برقیہ نہیں رہتا ذرہ ہوجاتا ہے، خاص خاص ذروں کے ترکیب پاتے ہی عنصر کی صورت نمودار ہوجاتی ہے، مادہ اب ذرہ نہیں عنصر ہے، یکساں عناصر سے مفرد اجسام کی صورت پیدا ہوتی ہے، مادہ اب عنصر نہیں جسم کہلاتا ہے، ان مفرد جسموں کے اختلاط سے مرکب اجسام، حیوانات اور نباتات وغیرہ صورت پذیر ہوتے ہیں، اب یہ مفرد جسم نہیں بلکہ حیوان، نبات وغیرہ ہیں، ان سب صورتوں کی تہہ میں جو مشترک، بے صورت اور بے خصوصیت شے ہے، اور اپنے اس تجریدی انداز میں استعداد ہی استعداد ہے، اور محض عقلی وجود رکھتی ہے، ابتدائی مادہ یا ہیولیٰ اولیٰ ہے اور نوع بہ نوع اجسام میں اس کی مشترک جسمیت، جوہری صورت یا صورت جسمیہ ہے، یہ دونوں جسم کے ترکیبی اور داخلی جز ہیں۔

کپڑا مثلاً گرم ہونے پر بھی کپڑا کہلاتا ہے، اور ٹھنڈا ہونے پر بھی، سیاہ ہو تو بھی اور سپید ہو تو بھی، ہلکا ہو یا بھاری، باریک ہو یا موٹا، چھوٹا ہو یا بڑا، چوکور ہو یا گول، غرض سب طرح کپڑا ہی رہتا ہے، ان جیسی حالتوں کو عرض کہا جاتا ہے، عرضوں کے اختلاف و اجتماع سے چیز کی نوعیت نہیں بدلتی۔ اپنی ہستی میں مادہ عرض کا حاجت مند نہیں، مگر عرض بغیر مادے میں سمائے نہیں پایا جاسکتا، تاہم جسم کا ترکیبی اور داخلی جز نہیں، محض جسم کی ظاہری خصوصیت ہے اور جسم کا محتاج۔ بے ترکیب اور بے جان چیزوں کی یہ تینوں قسمیں عشق و شوق سے خالی نہیں

البسائط الغیر الحیۃ علی ثلثۃ — بے ترکیب اور بے حیات چیزوں کی

---

[2] Essential of Physical Chemistry 152-156 یونانی فلسفے کی اصلاح ہے یعنی بسیط اور متشابہ مادہ رکھنے والے اجسام [3] مقاصد الفلاسفہ از غزالی، الٰہیات ص ۱۱

اقسام: احدها الهيولى الحقيقية والثانى الصورة التى لا يمكن لها القيام بالانفراد بذاتها والثالث الاعراض ..... فنقول ان كل واحد من هذه الهويات البسيطة الغير الحية قرين عشق غريزى لا يخلو عنه البتة وهو سبب له[1]

تین قسمیں ہیں؛ ایک مادۂ حقیقی، دوم صورت کہ تنہا اور بذات خود جس کا موجود ہونا ممکن نہیں، سوم اعراض ..... چنانچہ ان بے ترکیب اور بے حیات حقیقتوں میں سے ہر ایک طبیعی عشق سے قرین ہے، قطعاً اس سے خالی نہیں؛ یہی باعث ہے انکے وجود کا،

نباتات میں عشق سے متعلق فصل میں کہا ہے؛

العشق الخاص بالقوة النباتية على اقسام ثلثة احدها يختص بالقوة المغذية وهو مبدء شوقه الى حضور الغذاء عند حاجة المادة اليه ولقائه فى المغتذى بعد استحالته الى طبيعته والثانى يختص بالقوة المنمية وهو مبدء شوقه الى تحصيل الزيادة المتناسبة فى اقطار المغتذى والثالث يختص بالقوة المولدة وهو مبدء شوقه الى تهيئة مبدء كائن مثل الذى هو منه

نباتاتی قوت (نفس) کے عشق کی تین قسمیں ہیں؛ ایک قوت تغذیہ سے متعلق ہے؛ مادے کی غذائی ضرورت پر حصولِ غذا کے شوق کا سبب اور ساخت میں اسی جیسی ہوجانے کے بعد اُس غذا کے پیوست ہونے کا باعث یہی قوت ہے، دوسری بالیدگی عطا کرنے والی قوت سے مخصوص ہے، یہ جسم کے شوقِ نمو کی علت ہے اور تیسری قوت تولید سے متعلق ہے، یہ خود ہی سے خود جیسے کی آفرینش کے شوق کی محرک ہے

نفسِ حیوانی میں تغذیہ، نما و تولید کی قوتوں کے ساتھ دو مزید قوتیں ہیں؛ قوتِ تحریک اور قوتِ اِدراک، اور ان دونوں قوتوں اور ان کی تحتانی قسموں کے وظائفِ عمل کا باعث عشق ہے؛

لا شك ان كل واحد من القوى الحيوانية يختص تصرف يحثها عليه عشق غريزى والا لما كان وجودها فى البدن الحيوانى الا معدودة فى جملة المعطلات. ... وذلك ظاهر فى كل واحد من اقسامها۔[2]

لاریب، قوائے حیوانی میں ہر قوت کا خاص وظیفہ ہے جس پر اس کو طبیعی عشق انگیز کرتا ہے ورنہ حیوانی بدن میں انکا وجود محض بیکاروں میں شمار ہوتا .... اور یہ ان (قوتوں) کی ہر قسم میں ظاہر ہے۔

غرض یہ کہ وجود حقیقی ہو یا ذہنی اس کی بنیاد عشق ہے؛ مادہ صورت پر تھما ہوا ہے، صورت کا نقش مادے میں ابھرتا ہے، عرض کو معروض و محل کی ضرورت ہے،

---

[1] رسالہ فی العشق، ص۵

[1] رسالہ فی العشق، ص ۱۰، ۸ [2] ایضاً ص ۸

یہ عشق کی تحریک ہے جو ہر ایک کو اس کی وجودی ضرورت سے ہمکنار کرتی اور رکھتی ہے، مفرد طبیعی اجسام کے ذرات سے اور مرکب کی اجزا سے ترکیب اور اس کا استمرار عشق کا وظیفہ ہے، مزاج یا متناسب ترکیبی کیفیت عشق کا عمل ہے، نباتات میں تغذیہ، نمو اور تولید، حیوانات میں تحریک و ادراک اور انسان میں عملی اور فکری تعقل عشق کی کارفرمائیاں ہیں، اجرام سماویہ کی دوری حرکتیں عشق کی تاثیر ہیں۔

اس عشق کا حقیقی اور آخری معشوق کون ہے، مختلف موجودات میں اس تاثیر کے اثرات میں فرق اور تفاوت کیوں ہے، اس عشق کا مقصد اور غایت کیا ہے؟ شیخ کہتا ہے۔

فاذاً العلۃ الاولیٰ خیر مطلق	چنانچہ علتِ اولیٰ (واجب تعالےٰ)
من جمیع الوجوہ وقد کان	ہر لحاظ سے خیر مطلق ہے اور یہ واضح
تضح ان من ادرک خیراً	ہو چکا ہے کہ جو خیر کو پالیتا ہے وہ طبیعۃً
فانہ بطباعہ یعشقہ[1]	اُس سے عشق کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر موجود کو خیر مطلق سے طبعی عشق ہے اور خیر مطلق ہر موجود کا فطری محبوب ہے!

کل واحد من الموجودات	ہر موجود خیر مطلق سے طبیعۃً
یعشق الخیر المطلق عشقاً	عشق رکھتا ہے۔
غریزیاً[2]	

مختلف موجودات میں اس عشق کے اثرات کے اختلاف کی وجہ نہ خیر مطلق کی ذات ہے نہ اُس کی تاثیر کا اختلاف اور نہ مختلف موجودات سے اس کے تأثر کا نتیجہ[3] اسکا فیض اور تجلی تو سب کے لیے یکساں ہے، وہ کسی سے متأثر نہیں ہوتا، قصور قابل اور مستفید کا ہے[4]

[1] رسالہ فی العشق ص۔ مخطوطہ ابوالکلام لائبریری علیگڑھ [2] فصل ششم [3] ایضاً فصل ہفتم [4] ایضاً

ان الخیر المطلق متجلٍ لعشاقہ	خیر مطلق تو اپنے عاشقوں پر جلوہ
الا ان قبولہا لتجلیہ و	فگن ہے، مگر اُس کے جلوے قبول کرنے
اتصالہا بہ علی التفاوت	اور اس سے تعلق رکھنے میں فرق
...... ولاجل قصور بعض	ہے...... بعض حقیقتوں کے
الذوات عن قبول تجلیہا	اس کی تجلی قبول کرنے سے قاصر رہنے
یحتجب۔ ان العقل الفعال	پر وہ محجوب رہتی ہے.......
یقبل التجلی بغیر توسط..	عقلِ فعّال اس کی تجلی بلا واسطہ
.... ثم ینالہ النفوس	قبول کرتی ہے...... اس کے
الذاتیۃ بلا توسط ایضاً	بعد حصول[2] کی حد تک مقربین ذات
عند النیل.... ثم تنالہ	بھی بلا واسطہ ہی قبول کرتے ہیں اکے
القوۃ الحیوانیۃ ثم النباتیۃ	بعد قوتِ حیوانی پھر قوتِ نباتی اکے
ثم الطبیعیۃ۔[1]	بعد طبیعتِ جسمی۔

موجودات میں اس فطری اور طبیعی عشق و شوق کی غایت اور مقصد بقدر صلاحیت خیر مطلق یعنی واجب تعالےٰ سے زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مماثلت حاصل کرنی ہے اور یہی اُس سے تقرب ہے۔

وکل واحد ممانیالہ یتشوقہ	اُس کے (یعنی خیر مطلق کے، فیوضات
مانالہ منہ الی التشبہ بہا[3]	ہر فیض یافتہ کو بقدرِ صلاحیت اُس
...... والجواھر الحیوانیۃ	جیسا بننے کا شائق کر دیتے ہیں، حیوانات

[1] ایضاً فصل ہفتم [2] حصول تجلی بلا واسطہ ہے لیکن انکے استعداد محض سے نکل کر موجود ہونے میں، تجلی کو حاصل کرنے اسکو محفوظ رکھنے میں عقل فعال کی اعانت ہے اور وہی واسطہ ہے ایضاً

والنباتیۃ انما یفعل افاعیلھا	و نباتات سے جو خاص افعال سرزد
الخاصۃ بہا تشبھا بہ فی	ہوتے ہیں اسی لحاظ سے ہوتے ہیں کہ اپنے
غایاتھا..... والنفوس الالٰھیۃ	مقصد میں وہ انھیں اُس جیسا کر دیں،
الملکیۃ تحرک تحریکا تھا و تفعل	نفوس ملکوتی کی تحریکیں اور اعمال بھی
افاعیلھا تشبھاً بہ ایضاً[1]	اُس جیسا ہونے کے لیے ہوتے ہیں۔

تشبیہ اور مماثلت ان اعمال اور وظائف کے سبب اور علت یعنی حرکت میں تو ممکن ہی نہیں، وہ ذات ہر قسم کی حرکت سے برتر ہے، محض مقاصد اور غایات کی حد تک ہی تشبیہ ممکن ہے، شخصی یا نوعی بقا، اظہارِ طاقت وغیرہ ان اعمال کے مقاصد ہیں اور ان میں اُس جیسا ہونا مقصد بن سکتا ہے۔[2]

شیخ ابو علی ابن سینا کے فلسفۂ عشق و شوق کی یہ تلخیص ہے، اور اس کے رسالۂ عشق سے ماخوذ۔ یہ تنہا اُس کی فکر نہیں عام مسلم فلاسفہ بھی شیخ کے ہم زبان ہیں۔

اقبال کی تلخیص و شرح | اقبال نے شیخ کے خیالات کو جس طرح پیش کیا ہے اُس میں شیخ کی ترجمانی سے زیادہ اپنی ترجمانی ہے، عشق کی قوت میں ارتکاز و توحد کا میلان، مزاج کا حیوانات میں نشو و نما پانا خود شعوری کا انسانی خصوصیت ہونا، شیخ کی تشریح سے انھیں کوئی واسطہ نہیں، یہ اقبال کی اپنی ذاتی رائیں ہیں، بہرحال اقبال کی تشریح و تلخیص یہ ہے۔ "غیر متقوم (بے صورت) مادہ جو بذات خود بے جان ہے، عشق کے اندرونی زور سے نوع بنوع صورتیں قبول کرتا ہے، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں، اس کو بنایا ہی گیا ہے کہ وہ انھیں قبول کرے اور میزانِ حُسن میں بلند و بلند تر اُٹھتا رہے، طبیعیاتی سطح پر اس احساسی قوت کے عمل کو اس طرح واضح

[1] رسالۃ فی العشق، مخطوطہ علیگڑھ فصل ہفتم [2] ایضاً

کیا جا سکتا ہے؛

(۱) غیر ذی حیات چیزیں صورت، مادّے اور وصف (عرض ؟) کا امتزاج ہیں اور ذی حیات ؟) اس پُر اسرار قوت کے عمل سے وصف اپنے موضوع یا محل سے پیوست رہتا ہے اور صورت غیر متقوم مادے کو اپنی آغوش میں سما لیتی ہے، یہ مادہ عشق کی عظیم قوت کے زور سے صورت بصورت ترقی کرتا رہتا ہے۔

(۲) عشق کی قوت کا میلان خود ارتکازی کی طرف ہے، عالم نباتات میں یہ توحد اور مرکزیت کا بلند تر درجہ حاصل کر لیتی ہے، اگرچہ نفس (نباتی) میں اس وحدت عمل کی ابھی تک کمی رہتی ہے، جس کی بعد میں تکمیل ہوتی ہے۔ نفس نباتی کے وظائف ہیں: ۱ تغذیہ ب نمو ج تولید مثل۔ یہ وظائف عشق کے گوناگون مظاہر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ تغذیہ خارج کو داخل میں جذب اور تبدیل کرنا ہے۔ نمو حصص میں زیادہ سے زیادہ توافق پیدا کرنے کا شوق ہے، تولید کا مطلب ہے نوع کا استمرار، جو عشق و شوق کا ہی دوسرا رخ ہے۔

(۳) عالم حیوانات میں عشق کی قوت کے مختلف وظائف اب زیادہ وحدانیت لیے ہوئے ہیں، نباتاتی جبلت یعنی مختلف الجہات عمل کو یہ قائم رکھتا ہے لیکن اس میں مزاج کا بھی نشو و نما ہے جو زیادہ وحدانی عمل کی طرف ایک قدم ہے۔ انسان میں یگانگی کی طرف یہ جھکاؤ خود شعوری میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ فطری یا خلقی عشق کی یہی قوت انسان سے عالی تر موجودات کی حیات میں کارفرما ہے، ہر شے محبوب اول؛ حُسنِ ازلی کی طرف رواں ہے، چیز کی قدر و قیمت اس اساسی اصول سے قرب و بعد کی بنا پر مقرر ہوتی ہے"[1] شیخ کے بیانات اور اقبال کی تشریح کے مقابلے سے دونوں کا فرق بالکل واضح ہے،

[1] فارسی میں مابعد الطبیعیات کا نشو و نما، ص ۳۳

میں زیادہ طول نہیں دینا چاہتا۔

اقبال کی شیخ کے فلسفۂ روح و نفس کی تلخیص "طبیب کی حیثیت سے ابن سینا کو نفس کی حقیقت سے خاص دلچسپی ہے مزید بران مسئلہ تناسخ اس کے زمانے میں برابر شہرت پکڑتا جارہا تھا، چنانچہ نفس کی حقیقت پر وہ ایسے زاویۂ نظر سے بحث کرتا ہے کہ نظریۂ تناسخ کی غلطی واضح ہو جائے۔ وہ کہتا ہے "نفس کی (عام) تعریف دشوار ہے، کیونکہ موجودات کی الگ الگ قسموں میں اس سے الگ الگ قوتوں اور الگ الگ میلانوں کا ظہور ہوتا ہے، نفس کی ان الگ الگ قوتوں کے متعلق اس کی رائے یہ ہے:۔

(۱) بے شعور عامل کی حیثیت میں:۔

ا — چند جہتی عامل = نفسِ نباتی :۔ تغذیہ، نماو تولیدِ مثل

ب — یک جہتی عامل اور عمل کی یکسانی کی ضمانت = (؟) :۔ مزاج کا نشوونما[1]

(۲) باشعور عامل کی حیثیت میں:۔

ا — کثیر الغایات = نفسِ حیوانی

پست حیوانات — انسان

پست حیوانات:

A — قوائے مدرکہ

B — قوائے محرکہ ۔ (شہوت و غضب) حواس خمسۂ ظاہری

(مسرت کی طلب) — (الم سے رم)

انسان:

A — قوائے مدرکہ

حواس خمسۂ باطنی: حسِ مشترک، خیال، وہم، متصرفہ، حافظہ

[1] اس کا مطلب اور عمل کی شق (ا) دونوں قسموں کو میں پوری طرح نہیں سمجھ سکا ہوں۔

نفس، جسکی پانچوں باطنی حسوں کی یہ تشکیل کرتے ہیں

انسان میں نامی تعقل کی صورت میں اپنا اظہار کرتا ہے،

اور انسانی تعقل سے ملکوتی اور پیغمبرانہ تعقل میں ترقی کر جاتا ہے"

B — قوائے محرکہ - ارادہ

ب — وحدانی الغایۃ = نفسِ فلکی :۔ افلاک کی یکساں، دائم اور دوری حرکت کا محرک"[1]

نفس کی تعریف اور تقسیم قدیم طبیعیات کی عام بحث ہے، اسمیں شیخ کے طبیب ہونے کو کتنا دخل ہے، معلوم نہیں تناسخ کے باطل ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ نفس بدن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے پہلے سے موجود نہیں کہ نئے بدنوں کے پیدا ہونے پر اُن سے متعلق ہوتا ہے۔ یونانی فلسفیوں میں فیثاغورس اور افلاطون جیسے لوگ تناسخ یا انتقال روح کے قائل تھے، ارسطو بدن کی پیدائش کے ساتھ روح یا نفس ناطقہ کی پیدائش مانتا تھا، اس لئے اس کے نزدیک تناسخ کا تصور محض تمسخر تھا[2]، علاوہ ازیں تناسخ کا عقیدہ اسلامی عقیدۂ جزا و سزا کے منافی ہے چنانچہ مسلم فلاسفہ کے لئے تناسخ کا ابطال یونانی فلسفے کا ورثہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی عقیدے کی حمایت بھی ہے، بظاہر اس مسئلے سے شیخ کے تعرض کرنے کی یہی عام وجہ ہے، رہا یہ کہ شیخ کے زمانے میں مسئلہ تناسخ شہرت پکڑتا جارہا تھا، مجھے اسکی سند نہیں ملی۔

اقبال نے شیخ کے حوالے سے کہا ہے کہ "نفس کی تعریف دشوار ہے" معلوم نہیں اقبال نے شیخ کا یہ قول کہاں سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ شیخ نے اپنے رسالے علم النفس میں جو بقول خود اقبال کا ماخذ ہے، پہلے نفس کی عام تعریف ہی کی ہے جو سماوی اور ارضی دونوں قسم کے نفوس کو شامل ہے، اور کہدیا ہے کہ یہ نفس کی اس کے جنسی معنی کے لحاظ سے

[1] فارسی میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا ص ۳۲-۳۵
[2] تاریخ فلسفۂ مغرب از برٹرانڈ رسل ج ۱، ص ۱۹۲-۱۹۵

تقسیم ہے، یعنی اس کی تمام مختلف الحقیقۃ نوعوں کو شامل ہے۔

فالنفس کمال اوّل لجسم	چنانچہ نفس جسم کا سب سے پہلا[2]
والاجسام منہا ما ھی صناعیۃ	کمال ہے، اجسام میں کچھ صنعتی
ومنہا ھی طبیعۃ والنفس لیس	اجسام ہیں اور کچھ طبیعی ہیں اور نفس
بکمال جسم صناعی	صنعتی اجسام کا کمال نہیں، وہ
فہی کمال اوّل لجسم طبیعی،	طبیعی اجسام کا سب سے پہلا کمال
والاجسام الطبیعیۃ منہا	ہے، طبیعی اجسام میں سے کچھ اپنے
ما تفعل افاعیلہا بالآلات	افعال آلات (وسائل) کے ذریعے
ومنہا ما لا تفعل افاعیلہا	سے انجام دیتے ہیں، اور کچھ اپنے
بآلات کالاجسام البسیطۃ	افعال آلات سے انجام نہیں دیتے،
والفاعلۃ بغلبۃ القوی	مثلاً بے ترکیب جسم کہ جو بے ترکیب
البسیطۃ	قوتوں کے غلبے کی وجہ سے سرگرم
فاذن قد قسمنا النفس	عمل ہیں ...... اب ہم نے
الجنسیۃ وحددناھا	نفس کے جنسی معنی کی تقسیم و تحدید
وذالک ما اردنا بیانہ[1]	(تعریف) کر دی اور یہی چاہا تھا،

ممکن ہے کہ شیخ کی "اشارات" سے اقبال کو دھوکا لگا ہو، اشارات میں شیخ نے نفس کی بحث کا آغاز اس کی ارضی اور سماوی تقسیم سے کیا ہے، اور آگے فصلوں میں نفس کی

---

[1] کتاب فی النفس بو علی ابن سینا ص ۲۶ کمال اول جوہری صورت

[2] شے کی ذاتی خصوصیت کا نام ہے جو اس کو مستقل نوعی حقیقت بناتی ہے شرح اشارات طوسی جلد اول ص ۱۱۱

قوتوں کی تفصیل ہے، نفس کی اپنی عام تعریف یا نباتی، حیوانی، انسانی اور سماوی نفوس کی الگ الگ تعریفیں نہیں[1]، اور بظاہر نفس سے متعلق اقبال کا خاص ماخذ شیخ کی اشارات ہی ہے۔

اشارات میں نفس کی مرتب اور منضبط بحث نہیں، اگر اس تلخیص کا اشارات ماخذ ہے تو نفس کی قوتوں کی ترتیب اقبال کو دینی پڑی، اور ان کے اپنے متعلقہ نفوس سے ان کو متعلق کرنا پڑا اور اس میں خاصا التباس ہو گیا ہے۔

اقبال نے نفس کی حقیقۃً پانچ قسمیں کی ہیں، اور غالباً نفسوں کو چار پر محدود رکھنے کے لیے نفسِ انسانی کو جو نفس کی سب سے اعلیٰ و ارفع قسم ہے، نفس حیوانی میں شامل کر دیا ہے، نفسِ انسانی کی قوتوں کو محرکہ اور مدرکہ میں تقسیم کیا ہے، حالانکہ شیخ اور دوسرے فلاسفہ کے نزدیک یہ نفس حیوانی کی قوتیں ہیں، اور انسان میں نفس حیوانی کے واسطے سے آئی ہیں، یا اس وجہ سے ہیں کہ ہر نفس بالا، نفسِ زیرین کی قوتوں کو شامل ہے، انسانی نفس یا نفس ناطقہ کی مخصوص دو قوتیں نظری اور عملی تعقل ہیں۔

بے شعور عامل کی حیثیت سے نفس کی دوسری قسم! یہ جہتی عامل نفس کی کونسی قسم ہے، شیخ اس قسم سے واقف نہیں، خود اقبال نے بھی اس کا کوئی نام نہیں رکھا، ہاں مزاج کے نشو و نما کو اس کا عمل قرار دیا ہے، لیکن مزاج کا نشو و نما نفس کا وظیفہ نہیں، مزاج عناصر کے اختلاط اور ان کی صورتوں اور کیفیتوں کے کسر و انکسار سے پیدا ہوتا ہے، اور ترکیبی صورت سے باقی اور قائم رہتا ہے، صورت ترکیبی کا با نفس ہونا ضروری نہیں، چنانچہ معدنی صورت مزاج کے تحفظ کی ضامن ہے، لیکن با نفس نہیں، بانفوس ترکیبوں میں مزاج کا تحفظ اور اس کی بقا ضرور نفس کا وظیفہ ہے، لیکن نشو و نما تو وہ نفوس سے پہلے ہو سکتی ہے، کیونکہ اپنی ذاتی استعدادوں کے

---

[1] اشارات نمط سوم

مطابق ہی تو وہ نفوس پر فائز ہوتا ہے،[1] اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ نفوس سے مقدم ہے،

سہولتِ مقابلہ کے لیے میں شیخ کی تقسیم نفس اور اس کے مطابق نفس کی قسمین شیخ کے اپنے رسالے 'فی النفس' سے پیش کئے دیتا ہوں۔[2] یہ اقسام اور تقسیم شیخ کی دوسری کتابوں نجاۃ، حکمتِ علائیہ اور شفاء کے عین مطابق ہے۔ اس تقسیم میں نفسِ فلکی شامل نہیں ہے صرف نفس ارضی کی یہ تقسیم ہے، نفسِ فلکی کے اضافے سے چار نفسوں کا شمار پورا ہو جائے گا

الاقسام الاوّل للنفس — نفس کی ابتدائی قسمیں

- نفس
  - قوت نباتی یا نفس نباتی
    - تغذیہ
    - نمو
    - تولید
  - قوت حیوانی یا نفس حیوانی
    - مدرکہ
      - حواس ظاہری
      - حواس باطنی
    - محرکہ
      - شہوت
      - غضب
  - قوت نطقی یا نفس ناطقہ
    - عقلِ نظری
    - عقلِ عملی
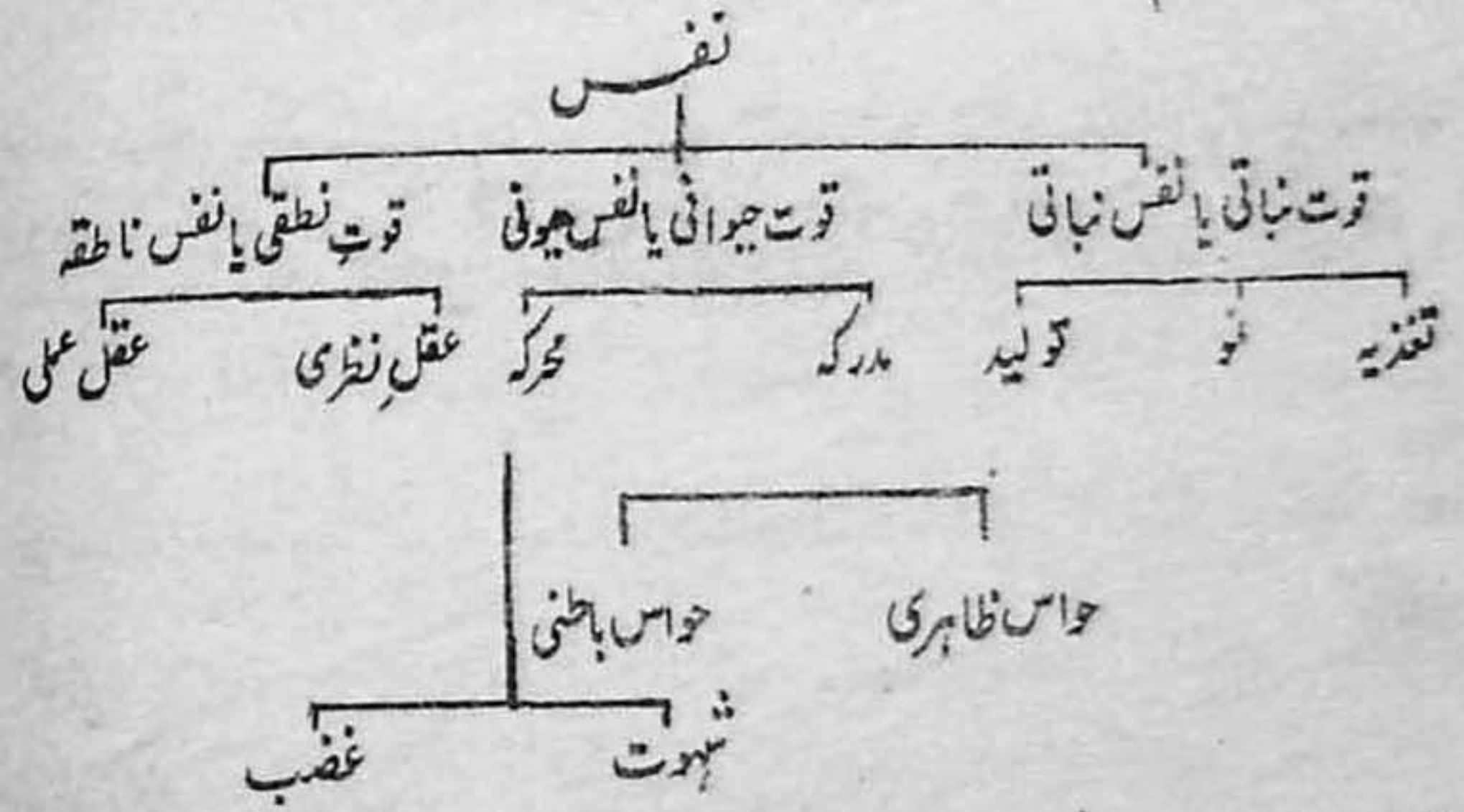
شیخ کے نزدیک نفس انسانی کی خصوصیات اور اقبال

اقبال نے اگرچہ نفس ناطقہ یا نفسِ انسانی کی تخصیص نہیں کی ہے، لیکن جو خصوصیتیں لکھی ہیں وہ انسانی نفس سے ہی متعلق ہیں اقبال نے بقول خود یہ "تخلیص شیخ کے رسالے 'فی النفس' سے کی ہے۔" اپنے رسالۂ نفس میں بوعلی سینا نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ نفس کے لئے مادی تکمیلین ضروری نہیں؛ یہ نہیں کہ اپنے تصورات و تخیلات کے لئے نفس کو جسمانی آلات یا جسمانی قوت درکار ہو۔ کسی شے کے تصور کے لئے نفس کو کسی طبیعی واسطے کی ضرورت ہوتی تو خود اپنے بدن کے تصور کے لئے بھی دوسرے

[1] شرح اشارات از طوسی ص ۱۴-۱۵ جلد اول، ایضاً ص ۱۲۵، ۱۲۸؛ [2] رسالۂ نفس ص ۲۲-۱۳۸، ۶۴

بدن کی ضرورت ہونی چاہئے تھی، مزید براں یہ واقعہ کہ نفس کو خود اپنا شعور بلا واسطہ ہی یعنی اپنا شعور، بذاتِ خود ہے، حتمی طور سے واضح کر دیتا ہے کہ اپنے جوہر کے لحاظ سے نفس ہر قسم کی طبیعی آلودگی سے بالکل پاک ہے۔"

"نظریہ تناسخ مشخص پیش وجودی کو مستلزم ہے۔ فرض کرو کہ نفس بدن سے پہلے موجود تھا تو واحد تھا یا کثیر، تو ابدان کی کثرت نفوس کی کثرت کی وجہ سے ہوگی، بصورت دیگر اگر واحد تھا تو الف کا جاہل یا عالم ہونا بے کا جاہل یا عالم ہونا ہے، کیونکہ دونوں میں ایک نفس ہے، اس لئے ان معقولات (وحدت و کثرت ؟) کا نفس پر (قبل از وجود بدن ؟) اطلاق نہیں ہو سکتا۔"

"بوعلی سینا کہتا ہے کہ سچ تو یہ ہے کہ بدن اور نفس ایک دوسرے سے مقارن ضرور ہیں لیکن جوہروں میں متضاد ہیں بدن کا انحلال نفس کے انعدام کو مستلزم نہیں؛ انحلال یا فساد مرکبات کی خصوصیت ہے نہ کہ بسیط، تقسیم ناپذیر صوری جوہر کی۔ چنانچہ بوعلی سینا (بدن سے پہلے نفس کی) پیش وجودی سے انکار کرتا ہے اور قبر سے آگے کی (پس مرگ) بے بدن شعوری حیات کے امکان کو واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"[1]

شیخ کے حوالے سے اقبال کی یہ "تخلیص" مبہم تو ہے ہی اور مختصر ہونے کے ساتھ ناقص بھی ہے۔ بظاہر شیخ کا نفس پر رسالہ، ہدیۃ الرئیس، اقبال کے پیش نظر نہیں ہے۔ اقبال کی تفصیل میں اس رسالے سے کوئی چیز منقول نہیں معلوم ہوتی، اس تفصیل میں شیخ کی تصانیف یا فلسفۂ قدیم کی دوسری عام کتابوں سے بھی اقبال نے ان کے سیاق و سباق کے ساتھ فائدہ نہیں اٹھایا ہے، ادھر ادھر سے ٹکڑے جمع کر کے اپنے طور پر مرتب کر دیئے ہیں، شیخ کی

[1] فارسی میں مابعد الطبیعیات کا نشو و نما ص ۳۵

تصانیف میں "اشارات" و "نجاۃ"، اور غزالی کی مقاصد الفلاسفہ ماخذ ہو سکتی ہیں، لیکن یقین کے ساتھ کسی ماخذ کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔

تناسخ کے باطل ہونے پر اقبال نے جو دلیل پیش کی ہے، اس کے مقدمات اور کڑیاں ناقص ہونے کی وجہ سے ناقابل فہم ہو گئی ہے۔ یہ استدلال 'نجاۃ' میں بھی ہے اور مقاصد الفلاسفہ میں بھی۔ میں مقاصد سے نقل کئے دیتا ہوں۔ مقاصد میں نسبتاً اختصار ہے، دونوں کتابوں میں یہ استدلال نفس کے بعد از بدن حدوث پر ہے:

انها (ای النفس) حادثة	نفس جسم کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے،
مع الجسم الا انها لو كانت	کیونکہ جسم سے پہلے اسکا وجود ہو تو یہ
موجودة قبل الجسم لكانت	واحد ہوگا یا کثیر۔ کثیر ہونا تو باطل ہے،
النفوس اما واحدة	کیونکہ کثرت تو عوارض کے اختلاف
واما كثيرة، وباطل	و تغایر سے ہی ہو سکتی ہے، اور جب
ان تكون كثيرة، فان	وہ مادے اور عوارض ہی نہیں کہ
الكثرة لا تكون الا باختلاف	جن سے اختلاف واقع ہو تو اختلاف
وتغاير بالعوارض واذا	کا کہاں تصور ہو سکتا ہے، اور
لم تكن مواد وعوارض	واحد ہو تو یہ بھی ناممکن ہے، کیونکہ
يقع بها الاختلاف، فلا	(کثرت ابدان کی وجہ سے) بدنوں
يتصور الاختلاف	میں تو یہ کثیر ہے ہی، اور حجم و مقدار
وان كانت واحدة فهو	کے بغیر (جو جسم کی خاصیتیں ہیں) نہ واحد
محال ايضا، لانها في	کثیر ہو سکتا ہے نہ کثیر واحد کہ

الابدان كثيرة، والواحد	(مقداریں) کبھی مل جائیں اور
لا يصير كثيرا كما لا يصير	ایک مقدار ہو جائے، اور کبھی الگ الگ
الكثير واحدا الا اذا كان له	ہو جائیں اور کئی مقداریں بن جائیں
حجم ومقدار فيتصل مرة	اور اس طرح مقداری کثرت پیدا ہو جائے۔
وينفصل اخرى۔	اور بدنوں میں نفوس کی کثرت کی دلیل
ودليل كثرته في الابدان	یہ ہے کہ زید کا معلوم و دانستہ عمرو کا
ان معلوم زيد ليس	معلوم و دانستہ نہیں، اگر دونوں میں
معلوم عمرو، ولو كان	ایک ہی نفس ہوتا تو کیونکر ممکن تھا
نفسا واحدا لما كان	کہ ایک شے نفس کو معلوم بھی ہو اور
الشيئ معلوما لنفس	وہی شے اسی کے لیے مجہول بھی ہو،
ومجهولا بعينه لنفس اخرى	پھر تو ایک ہی شے ایک ہی نفس کو معلوم
اذ يكون الشيئ معلوما للنفس	بھی ہوگی اور مجہول بھی (جو صریح تناقض ہے)
الواحدة ومجهولا لها۔[1]	

بدنوں کی کثرت کی بنیاد پر نفوس کی کثرت کو اور بدنوں کے ساتھ ساتھ انکے حدوث کو شیخ نے شفا، میں اسی دلیل سے ثابت کیا ہے۔ میں اسے بھی نقل کئے دیتا ہوں۔ بظاہر شفا، اقبال کا ماخذ نہیں تاہم اس سے اقبال کی دلیل کے ساقط مقدمات واضح ہو جائیں گے،

ونحن نعلم ان النفس ليست	ہم یہ جانتے ہیں کہ سب کے سب
واحدة في الابدان كلها،	بدنوں میں (بعینہ) ایک ہی نفس

---

[1] مقاصد الفلاسفہ از غزالی قسم ثالث، طبیعیات ص ۲۹۹

ولو کانت واحدۃ و
کثیرۃ بالاضافۃ لکانت
عالمۃ فیھا کلھا احوالھا
ولما خفی علی زید
ما فی نفس عمرو، لان
الواحد المضاف الی
کثیرین یجوز ان یختلف
بحسب الاضافۃ و
اما الامور الموجودۃ
لہ فی ذاتہ فلا یختلف
فیھا۔

(نسخۂ مخطوطہ رضا لائبریری رام پور
ورق ۱۸۵۶/۵۱۳)

نہیں ہے، اگر سب بدنوں میں ایک
ہی نفس ہوتا، جو ذاتی وحدت کے ساتھ
خواہ اضافی کثرت ہی کیوں نہ ہوتی
(وہ ابدان کثیرہ سے متعلق ہونے کی
وجہ سے تعلقاتی کثرت) تو یا سب
(بدنوں) میں یہ عالم ہی ہوتا یا جاہل
ہی ہوتا، اور جو عمرو کے نفس میں ہوتا
وہ زید پر مخفی نہ ہوتا۔ رہا تعلقات
کی بنا پر اضافی اور تعلقاتی کثرت کا
سوال ہے تو چونکہ ایک ہی حقیقت
جو کثیر (اشیاء) سے نسبت اور تعلق
رکھتی ہے اس میں نسبتی اور تعلقاتی اختلاف
تو جائز ہے لیکن جو حقیقتیں اس کی ذات
میں حاصل اور ثابت ہیں ان میں اختلاف
نہیں ہو سکتا۔

اقبال نے اس دلیل کو ضروری مقدمات ساقط کر کے تناسخ کے باطل ہونے پر
قائم کیا ہے، اور بفحوائے بیان شیخ کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن شیخ نے اس کو حدوث
بدن کے ساتھ حدوث نفس کی معیت ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے، اور 'نجاۃ' میں

اسی عنوان کے ساتھ اسکو ذکر کیا ہے۔ ابطال تناسخ میں اس پر اعتماد نہیں کیا ہے

علاوہ بریں تناسخ کی یہ صورت کہ کسی ایک بدن کے ساتھ نفس کا حدوث ہو اور اس بدن کے فساد پر
کسی دوسرے بدن میں حلول کر جائے، اس دلیل سے باطل نہیں ہوتی، واللہ اعلم بالصواب
و منہ السداد۔

اعتذار: تحریر ضرورت اور اندازے دونوں سے بڑھ گئی، مقصد اپنے پچھلے
مقالے کی تصحیح تھی، لیکن بات بہت آگے چلی گئی۔ طولِ داستان کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل نظر
کو متنبہ کر دوں کہ اقبال مرحوم کے ان حوالوں کو جو عربی تصانیف سے متعلق ہوں
احتیاط سے پڑھیں، اور اصل ماخذوں سے مقابلہ کئے بغیر ان سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

اقبال کامل

اقبالیات پر تو اب اردو اور انگریزی میں سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور ان پر روز بروز اضافہ ہوتا چلا
جاتا ہے، لیکن اقبال پر یہ سب سے پہلی مکمل اور جامع کتاب ہے جسکو اردو کے ادیب اور شعرالہند کے مشہور مصنف
مولانا عبدالسلام ندوی نے لکھی ہے، اس میں حضرت اقبال کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے
فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے پہلے ان کی اردو شاعری، پھر فارسی
شاعری کے بہترین اشعار کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، پھر ان کے کلام کی ادبی خوبیاں دکھائی گئی ہیں،
پھر ان کی شاعری کے اہم موضوعات یعنی فلسفہ خودی، فلسفہ بیخودی، نظریہ ملیت تعلیم، سیاست، صنف
لطیف اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے۔

قیمت ــ ۱۶ روپیے / [illegible]

خدا بخش لائبریری میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی قلمی تصنیفات

از جناب محمد عتیق الرحمٰن صاحب ایم، اے (علیگ) خدا بخش لائبریری، پٹنہ

مولانا آزاد بلگرامی ایک اچھے تذکرہ نگار، عربی و فارسی کے نامور شاعر اور اسلامی علوم و فنون کے متبحر عالم کی حیثیت سے ہندوستان کی علمی دنیا میں نہایت مشہور و معروف ہیں، بلکہ اپنے علمی فضل و کمال ہی کی وجہ سے حسان الہند کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

وہ ۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ درسی کتابیں میر طفیل محمد بلگرامی (متوفی ۱۱۵۱ھ) سے پڑھیں۔ لغت، حدیث، سیرت اور فن ادب کا درس اپنے نانا میر عبدالجلیل بلگرامی (متوفی ۱۱۳۸ھ) سے حاصل کیا، عربی شاعری میں بھی ان ہی کے شاگرد تھے۔

۱۱۳۲ھ میں سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرامی (متوفی ۱۱۴۳ھ) سے بیعت کی، ۱۱۵۱ھ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے۔ اس مبارک سفر کے دوران میں مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی (متوفی ۱۱۶۳ھ) سے بخاری شریف پڑھی، اور صحاح ستہ کی اجازت حاصل کی، مکہ معظمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ جب اپنے کچھ عربی اشعار شیخ عبدالوہاب طنطاوی کو سنائے تو وہ نہایت خوش ہوئے۔ اور

ان کی عربی دانی کی تعریف کی،

انھوں نے اپنی مختلف تصنیفات میں اپنے نام کے ساتھ مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے جس سے ان کی جائے پیدایش اور مذہبی عقائد کا علم ہوتا ہے،

"الحسینی نسباً والواسطی اصلاً والبلگرامی مولداً ومنشأً والحنفی مذہباً والجشتی طریقۃً"

انھوں نے عربی زبان میں ضوء الدراری شرح بخاری تا کتاب الذکر، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مظہر البرکات اور دو دیوان یادگار چھوڑے ہیں، ان دواوین کے بارہ میں تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے کہ ان میں تین ہزار عربی اشعار ہیں اور سبحۃ المرجان میں سات سو عربی اشعار بطور مثال پیش کیے گئے ہیں[1]

فارسی زبان میں ید بیضا، سرو آزاد، خزانہ عامرہ، مآثر الکرام، شجرۂ طیبہ، دیوان اردو، روضۃ الاولیا، ان کی تصنیفات میں ہیں، صاحب تذکرہ علمائے ہند نے سند السادات فی حسن خاتمۃ السادات کو ان کی تصنیفات میں شمار کیا ہے، اس کے علاوہ مظہر البرکات کو انکی فارسی تصنیفات میں شمار کر دیا ہے، جب کہ یہ ان کی عربی تصنیف ہے۔

وہ ۱۲۰۰ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے[2]

مندرجہ ذیل سطور میں ان کی ان تصنیفات و تالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جو مخطوطات کی شکل میں خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہیں۔

الف: عربی مخطوطات

دیوان غلام آزاد بلگرامی | ہینڈ لسٹ نمبر ۳۹۵۹، ورق ۵۶، سطر ۱۲، خط نستعلیق، کتابت بارھویں صدی ہجری، یہ نسخہ مولانا آزاد بلگرامی کے قصائد، غزل اور مراثی پر مشتمل ہے، اس کی ترتیب اس طرح ہے۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ۳۶۳۔ ید بیضا ۲۵۰-۲۵۲، نزہۃ الخواطر ۶/۲۰۱، تذکرہ علمائے ہند ۳۶۳

[2] دیکھیے، مآثر الکرام ۱۶۱-۱۶۲، سرو آزاد ۲۹۱-۲۹۲، خزانہ عامرہ ۱۲۳-۱۲۶، سبحۃ المرجان ۱۱۸-۱۲۰ وغیرہ

سب سے پہلے یہ مندرجۂ ذیل شعر سے شروع ہوتا ہے، جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے گئے قصیدہ کا پہلا شعر ہے، ؎

نحت الی بعینها الکحلاء ـــ نما ضت طول العمر بالسوداء

اس کے بعد مسلسل ۲۱ قصائد ہیں جن میں پہلے کے ۱۸ قصائد تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اور بقیہ ۳ سید عبدالجلیل بلگرامی، محمد بن سید عبدالجلیل بلگرامی اور سید جان محمد حسینی کی تعریف میں ہیں۔

قصائد کے بعد ایک مرثیہ سید طفیل محمد حسینی کی وفات پر، ایک تاریخی نظم سید محمد حسینی کی تصنیف الفرع النابت اور ایک سید قمرالدین اورنگ آبادی کی کتاب مظہر النور کی تصنیف کے موقع پر کہی گئی ہے پھر محمد اسلم حسینی کے بارہ میں منظوم تاریخ وفات ملتی ہے، اس کے بعد غزلیں شروع ہوتی ہیں، جو کل ۳۱ کی تعداد میں ہیں، یہ حروف تہجی کے اعتبار سے الف سے یائی تک کے حروف پر مبنی ہیں، اس کے بعد مندرجۂ ذیل عبارت ملتی ہے۔

هذا قصائد انشاها الناظم بعد مارتب الديوان واثبتها في آخره فمن شاء يثبتها في مواضعها۔

(یہ چند قصائد ہیں جنھیں شاعر نے دیوان مرتب ہونے کے بعد لکھا ہے، اور دیوان کے اخیر میں لکھا ہے جو شخص چاہے انھیں انکی مناسب جگہ پہ تحریر کردے۔)

اس ذیل میں دو قصائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اور ۱۱ غزلیں ملتی ہیں جو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہیں، دیوان کی آخری غزل کا مقطع اس طرح ہے ؎

لقد ذاب فی الحب آزادنا ـــ دیرجو من اللہ حسن الرضا

کتابت کے سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ آخری غزل کو چھوڑ کر دیوان کے تمام قصائد غزل اور مراثی خوبصورت خط نسخ میں لکھے ہوئے ہیں، اس میں نہ کہیں سنہ کتابت درج ہے، اور نہ کاتب کا نام ملتا ہے، ہاں دیوان کی سب سے پہلی عبارت "قال مولانا السید غلام علی المتخلص بآزاد" سے یہ بات ضرور متعین ہوجاتی ہے کہ اس کا کاتب بہرحال کوئی دوسرا ہے، لیکن اس کے برخلاف آخری غزل خط نستعلیق میں ہے جو درمیان صفحہ سے شروع ہوتی ہے، غزل کے اختتام پر مندرجۂ ذیل خاتمہ کی عبارت ملتی ہے۔

رقم هذه القصيدة الاخيرة الفقير غلام علی آزاد الحسينی الواسطی البلگرامی ناظم الديوان فی ۲۵ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۱۷۰ھ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آخری غزل خود مولانا آزاد بلگرامی کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، جو ۲۵ جمادی الاخری سنہ ۱۱۷۰ھ میں لکھی گئی۔ مزید یہ بھی ثابت ہوا کہ اس کے قبل کے تمام اشعار مولانا آزاد بلگرامی کی حیات ہی میں مذکورہ تاریخ سے پہلے لکھے گئے ہیں،

مظہر البرکات | ہینڈلسٹ نمبر ۱۰۳۶، ورق ۱۲۷، سطر ۱۱، خط نستعلیق، کتابت سنہ ۱۲۶۰ھ

کاتب مظہر علی، یہ مخطوطہ منظوم اخلاقی قصوں، کہانیوں اور حکایتوں پر مشتمل ہے اور مندرجۂ ذیل سات دفتر پر منقسم ہے، ہر دفتر حمد باری عز اسمہ سے شروع ہوتا ہے،

دفتر اول ـــ یہ سنہ ۱۱۹۳ھ میں لکھا گیا اس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

احمد اللہ واجب النعم ـــ موقع العاشقین فی الضرم

دفتر دوم۔ یہ سنہ ۱۱۹۴ھ میں لکھا گیا۔ اس کا پہلا شعر اس طرح ہے ؎

ربنا انت خالق البشر ـــ جاعل النطق حسن الدرر

دفتر سوم۔ یہ سنہ ۱۱۹۵ھ میں لکھا گیا، اس کا پہلا شعر یہ ہے۔ ؎

احمد اللہ ہادی السبل جاعل الوحی حجۃ الرسل

دفتر چہارم ۔ یہ بھی سنہ ۱۱۹۵ھ میں لکھا گیا اس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

انت یا رب خالق النسم ملہم الورق صنعۃ النغم

دفتر پنجم ۔ یہ سنہ ۱۱۹۶ھ میں لکھا گیا، پہلا شعر یہ ہے۔ ؎

تاج راس الخطاب حمد اللہ نور وجہ الکتاب وجہ اللہ

دفتر ششم ۔ یہ بھی سنہ ۱۱۹۶ھ میں لکھا گیا، پہلا شعر اس طرح ہے۔ ؎

انا اثنی علیک یا اللہ انا ارجو الیک یا ربا ہ

دفتر ہفتم ۔ یہ بھی سنہ ۱۱۹۶ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

ربنا انت منطق الفصحاء مودع السحر مقول الورقاء

اس نسخہ میں سب سے پہلی حکایت ابو عثمان الجیزی کی اور سب سے آخری حکیم بقراط کی نظم کی گئی ہے، اس کے بعد جواب لطیف من الناظم، نکتہ من الناظم، ترجمۃ الناظم اور الخاتمہ کے عنوان کے تحت مختلف نظمیں تحریر کی گئی ہیں، خاتمہ کی مندرجۂ ذیل عبارت ظاہر کرتی ہے کہ اس نسخہ کی کتابت سنہ ۱۲۶۰ھ میں ہوئی، اور اس کا کاتب مظہر علی ہے۔

تمت فی رابع عشر ذی قعدہ سنہ ۱۲۶۰ھ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حررہ اضعف الناس مظہر علی۔

دیوان غلام علی آزاد بلگرامی | ہینڈ لسٹ نمبر ۳۳۰، ورق ۱۹، سطر ۱۰، ۱۷، خط مختلف کتابت تیرہویں صدی ہجری، یہ ایک ناقص نسخہ ہے جو مندرجۂ ذیل دیوان اور دفتر پر مشتمل ہے۔

الدیوان التاسع ۔ اس میں سنہ ۱۱۹۹ھ کے کہے ہوئے اشعار درج ہیں۔

الدیوان العاشر ۔ اس میں سنہ ۱۱۹۹ھ کے کہے ہوئے اشعار درج ہیں۔

الدفتر الخامس ۔ اس میں سنہ ۱۱۹۶ھ کے کہے ہوئے اشعار تحریر کئے گئے ہیں۔

الدفتر السادس ۔ " " " " " " "

الدفتر السابع ۔ " " " " " " "

دیوان تاسع کا پہلا قصیدہ آنحضرت صلعم کی شان میں ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

خاجت ادمعی من المقل واستفادت زمارت الطلل

قصیدہ سے پہلے یہ عبارت ملتی ہے قال ممتدحا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المحرم سنۃ تسع وتسعین ومایۃ والف،

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشعار محرم سنہ ۱۱۹۹ھ میں کہے گئے ہیں،

اس دیوان میں دو قصائد کے بعد غزلیں ملتی ہیں جو محرم سنہ ۱۱۹۹ھ سے رجب سنہ ۱۱۹۹ھ تک کی مدت میں کہی گئی ہیں، دیوان عاشر میں بھی سب سے پہلے قصیدہ ملتا ہے، جس کا پہلا شعر اس طرح ہے۔ ؎

لقد دعانی الیٰ لقیانہ رشاء اثنی الیہ ولیحم اللہ ابتدائی

اس کے بعد ۱۱ قصائد مزید ملتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی شان میں کہے گئے ہیں، اس کے بعد دفتر خامس، دفتر سادس، دفتر سابع کے اشعار درج ہیں، درحقیقت یہ وہی اشعار ہیں جو مظہر البرکات میں تحریر کئے گئے ہیں۔

اس نسخہ کے نقص کی کئی وجوہ ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں دیوان تاسع اور دفتر خامس سے قبل کے اشعار نہیں ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نسخہ درمیانی شعر سے شروع ہوتا ہے جس کی وجہ سے نہ اس کی شان نزول کا پتہ چلتا ہے، اور نہ اس کا آغاز معلوم ہوتا ہے، تیسری وجہ یہ

کہ اس کے بعض قصائد نامکمل ہیں۔ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان	ہینڈ لسٹ نمبر ۲۲۰۸، ورق ۲۱۶، سطر ۱۳، خط نسخ

کتابت ۱۳ ویں صدی ہجری۔

یہ نسخہ مندرجہ ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

الفصل الاول فی ماجاء من ذکر الهند فی التفسیر والحدیث
الفصل الثانی فی ذکر العلماء الفصل الثالث فی محسنات الکلام
الفصل الرابع فی بیان المعشوقات والعشاق۔

جیسا کہ ان فصول سے ظاہر ہے، اس نسخہ میں تفسیر وحدیث کی روشنی میں ہندوستان کا ذکر کیا گیا ہے، اور کچھ علمائے ہند کے حالات بیان کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ محسناتِ کلام پر بھی گفتگو کی گئی ہے،

یہ مکمل نسخہ ہے، لیکن درمیان میں بعض عبارتیں نقل کرنے سے رہ گئی ہیں، اس کے لئے ورق ۲۹۱ ب، ۲۹۲ ب، ۲۹۳ ب، ۲۹۴ الف، ۳۱۰ ب ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

فصل دوم میں جن علماء وفضلاء کا تذکرہ کیا گیا ہے اُن میں سب سے پہلے شیخ ابو حفص ربیع بن صبیح الہندی کا ذکر ہے، اور سب سے آخر میں میر نور الہدی کا۔

اس میں سنہ کتابت درج ہے اور نہ کاتب کا نام موجود ہے، لیکن تخمیناً ۱۳ ویں صدی ہجری کی کتابت کہی جاسکتی ہے۔

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان کا ایک اور نسخہ	ہینڈ لسٹ نمبر ۱۲/۳، ورق ۱۹۵، سطر ۲۱، خط نستعلیق کتابت تیرہویں صدی ہجری۔

یہ بھی مکمل نسخہ ہے لیکن شروع صفحہ پر کسی نے غلطی سے الجزء الاول من سبحۃ المرجان

لکھدیا ہے، اس کے علاوہ اس کا ایک ورق (۱۹۳) غلطی سے ورق ۱۹۵ کے بعد لگ گیا ہے، نسخہ صاف ہے لیکن کاتب نے نقل کرنے میں بڑا احتیاطی سے کام لیا ہے، اس لئے کہیں کہیں کتابت کی غلطی نظر آتی ہے،

شروع میں ان علماء کی فہرست دی گئی ہے، جن کا فصل دوم میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس فہرست کے مطابق اس فصل میں ۴۲ علماء کے حالات موجود ہیں۔

سبحۃ المرجان کا ایک اور نسخہ	ہینڈ لسٹ نمبر ۲۲۰۷، ورق ۱۴۹، سطر ۱۷، خط نسخ، کتابت

۱۲۰۸ھ یہ نامکمل نسخہ ہے اور مندرجہ ذیل فصول پر مشتمل ہے،

الفصل الاول۔ فی ما جاء من ذکر الهند فی التفسیر والحدیث
الفصل الثانی۔ فی ذکر العلماء

اس کے بعد کی دو فصلیں (الفصل الثالث والرابع) اس نسخہ میں نہیں ہیں۔

مندرجہ ذیل خاتمہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ مولانا آزاد بلگرامی نے خود اپنے ہاتھ سے ۱۱ شوال ۱۱۸۰ھ میں لکھا ہے۔

تمت بعونه تعالے هذه النسخة علی ید مؤلفها الفقیر آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی عشیة فی الحادی عشر من شوال المکرم سنة ثمانین ومائة والف۔

(فارسی مخطوطات۔)

ید بیضا	ہینڈ لسٹ نمبر ۲۲۴، ورق ۱۳۰، سطر ۲۱، خط نستعلیق،

یہ فارسی تذکرہ ہے جس میں قدیم شعراء سے لیکر مولانا آزاد بلگرامی کے معاصر شعراء تک کے حالات درج ہیں، حالات کے ضمن میں شعراء کے خوبصورت اور منتخب اشعار بھی تحریر کئے گئے ہیں، اس کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ اسپرنگر نے لکھا ہے

اس میں ۲۳۵ فارسی شعراء کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں،[1] جن شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سب سے پہلا شاعر افضل الدین محمد کاشانی اور سب سے آخری میر محمد یوسف ہے،

شعراء کے حالات کے بعد تذکرہ نگار نے اپنی مختصر سوانح لکھی ہے، جس میں اپنی پیدائش تعلیم و تربیت، سفر حج، تصنیفات اور ید بیضا کے مختلف نسخوں کا ذکر کیا ہے، یہ پانچ اوراق پر مشتمل ہے۔

شروع صفحہ پر مندرجۂ ذیل تحریریں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ مولانا آزاد بلگرامی نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے،

پہلی تحریر مولانا آزاد بلگرامی کے کسی بزرگ کی خود ان کی زندگی میں لکھی گئی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"تذکرۃ الشعراء مسمی بید بیضا از تالیفات سید غلام علی آزاد بلگرامی سلمہ اللہ تعالےٰ ہنگامیکہ فقیر برائے عقد بلگرام رفتہ بودم سید محمد طاب ثراہ بمن دادند فی سنہ ۱۱۵۳ھ و این نسخہ اکثر بخط مصنف است سلمہ اللہ تعالےٰ شانہٗ"

دوسری تحریر جے، ایچ بلاک مین کی، جو ۱۸۷۵ء میں انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اس نسخہ کو میں نے بلگرام میں خریدا تھا، اس کی کتابت کے بارہ میں جب میں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ میر عبد الجلیل بلگرامی سے آخر کتاب تک کا حصہ مولانا آزاد بلگرامی نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے، یہ حصہ باریک خط میں لکھا ہوا ہے اسی صفحہ پر خدا بخش خان بانی کتب خانہ کی ایک تحریر ہے، جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ

---

[1] اردو کیٹلاگ ۱۴۲

انھوں نے یہ نسخہ تیس روپے میں کلکتہ میں وہاں سے خریدا جہاں جے، ایچ بلاک مین کے کتب خانہ کی کتابیں فروخت ہو رہی تھیں۔

سرو آزاد	ہینڈ لسٹ نمبر ۲۲۴، ورق ۱۱۱، سطر ۲۲-۲۴، خط نستعلیق، کتابت بارہویں صدی ہجری۔

اس کے مقدمہ میں مولانا آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ ید بیضا کے بعد انھیں بلگرامی شعراء اولیاء کرام اور علماء و فضلاء کے حالات قلم بند کرنے کا خیال ہوا چنانچہ اسی مقصد سے انھوں نے دو دفتر لکھا ایک کا نام سرو آزاد رکھا، اور دوسرے کا مآثر الکرام۔

سرو آزاد کا موجودہ نسخہ مندرجۂ ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول در ذکر صاحب طبعان فارسی، فصل دوم در ذکر قافیہ سنجانِ ہندی،

فصل اول میں ان فارسی گو شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو یا تو ہندوستان کے باشندہ تھے، یا دوسرے ممالک سے آکر یہاں مقیم ہو گئے تھے، اس فصل میں سب سے پہلے مولانا نظیری نیشاپوری کے اور سب سے آخر میں سید برکت اللہ کے حالات تحریر کئے گئے ہیں، فصل دوم میں سب سے پہلے شیخ شاہ محمد کا اور سب سے آخر میں میر عبد الواحد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں مجموعی طور پر ۱۳۵ فارسی گو شعراء کے اور فصل دوم میں ۸ شعراء کے حالات ملتے ہیں۔

اس نسخہ میں نہ سنہ کتابت درج ہے، اور نہ کاتب کا نام ہے، لیکن تخمیناً ۱۲ ویں صدی ہجری کی کتابت کہی جا سکتی ہے،

مآثر الکرام	ہینڈ لسٹ نمبر ۲۲۷، ورق ۱۴۴، سطر ۱۱، معمولی نستعلیق، کتابت تیرہویں صدی ہجری،

اس نسخہ میں بلگرام اور کچھ دوسرے علاقوں کے فقرار اور علمار وفضلار کے حالات تحریر کئے گئے ہیں، یہ مندرجۂ ذیل فصول پر مشتمل ہے،

فصل اول در ذکر فقرار قدس اللہ اسرارہم. فصل دوم در ذکر فضلار نور اللہ مضاجعہم۔

پہلی فصل میں مجموعی طور پر ۱۰۸ فقرار اور مقدس ہستیوں کا تذکرہ، اور دوسری فصل میں ۱۱ علمار وفضلا کا تذکرہ موجود ہے، اس کے بعد تذکرہ نگار نے خود اپنی زندگی کے حالات تحریر کئے ہیں۔

شروع میں ان تمام شخصیات کی فہرست دی گئی ہے، جو اس نسخہ میں درج ہیں۔

یہ مخطوطہ شروع سے ۱۱۸ ورق تک کسی ناپختہ کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس کے بعد کے اوراق کی کتابت پختہ ہے، لیکن خط بہرحال معمولی ہے،

سنہ کتابت درج نہیں، تاہم تیرہوین صدی کی کتابت کہی جا سکتی ہے،

خزانہ عامرہ	ہینڈ لسٹ نمبر ۲۱۰، ورق ۳۴۸، سطر ۱۷، خط نستعلیق، کتابت تیرہوین صدی ہجری،

اس میں جدید وقدیم فارسی گو شعرار اور ہندوستانی امرار کے حالات بیان کئے گئے ہیں، جدید شعرار اور امرار سے مراد وہ حضرات ہیں جو مولانا آزاد بلگرامی کے معاصر تھے،

اس میں مجموعی طور پر ۱۳۵ فارسی شعرار کے تذکرے ہیں جو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کئے گئے ہیں،

تذکرہ نگار نے اس مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ تذکرہ ۱۱۷۶ھ میں مرتب ہوا، اس میں سب سے پہلے انوری اور سب سے آخر میں میر یوسف بلگرامی کے حالات بیان کئے گئے ہیں، کاتب کا نام

اور سنہ کتابت درج نہیں تاہم اس کی کتابت تیرہویں صدی کی ہو سکتی ہے۔ نسخہ صاف اور خوبصورت ہے،

خزانہ عامرہ کا دوسرا نسخہ	ہینڈ لسٹ نمبر ۱۱۰۸، ورق ۳۲۶، سطر ۱۷، ۱۹، خط نستعلیق، کتابت تیرہویں صدی۔

یہ خزانہ عامرہ کا دوسرا نسخہ ہے، جو مکمل ہے، لیکن مختلف کاتبوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں تاہم ۱۳ ویں صدی کی کتابت کہی جا سکتی ہے،

تذکرہ صوبہ داران اودھ	ہینڈ لسٹ نمبر ۱۰۸۱، ورق ۱۰۴، سطر ۱۱، خط نستعلیق، کتابت ۱۲۰۳ھ،

اس میں حیدرآباد اور اودھ کے ان صوبہ داران اور امرار کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو تذکرہ نگار کے معاصر تھے، خدابخش لائبریری کے کیٹلاگر نے اس مخطوطہ کے تعارف کراتے ہوئے جے، ایچ ہاک مین کی مندرجۂ ذیل تحریر نقل کی ہے۔

The Subahdars of Audh and Haidarabad. An extract from The Khazanah-i Amirah by Gulam Ali Azad"

اس کے علاوہ اس نسخہ میں خاتمہ کی مندرجۂ ذیل عبارت ملتی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص تاریخی حصہ ہے جو ۱۲۰۳ھ میں خزانہ عامرہ سے نقل ہوا۔

این قدر احوال کہ تعلق بتاریخ داشت از نسخہ خزانہ عامرہ میر غلام علی آزاد منقول شد تحریر ہشتم ذی الحجہ ۱۲۰۳ھ۔

ا؎ خدابخش لائبریری کیٹلاگ ج ۸ ص ۱۶

نسخۃ مرجان فی آثار ہندوستان کا فارسی ترجمہ | ہینڈلسٹ نمبر ۱۶۹، ورق ۱۱۲، سطر ۱۲، خط نستعلیق، کتابت چودہویں صدی ہجری،

یہ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (عربی) کا فارسی ترجمہ ہے، مترجم کا نام سید شمس الدین حسینی ہے، مترجم نے یہ کام کس کے حکم سے شروع کیا؟ اس سلسلے میں خدابخش لائبریری کے کیٹلاگر نے لکھا ہے کہ اس نسخہ کے آخر میں ایک تحریر تھی، جس سے پتہ چلتا تھا، کہ مہاراجہ ایسری پرشاد (بنارس) نے سید شمس الدین کو ترجمہ کرنے کی ہدایت کی تھی جو ان کے یہاں ملازم تھے[1] لیکن بدقسمتی سے مجھے یہ تحریر نہیں مل سکی، تاہم مقدمہ کتاب کے مندرجۂ ذیل اشعار اس بیان کی تائید کرتے ہیں، ؎

مہاراج ایسری پرشاد صاحب | وحید العصر عالی خاندان است
امیر بے نظیر و قدر دانی | کہ رایش پیر و اقبالش جوان است
کمر بستم بہ فرمان سترکشی | کہ ہر دم واجب الاذعان جان است
بجان و دل کہ شمس الدین مطیع است | بشکر نعمتش رطب اللسان است
کنم عطف عناں از وادی نظم | کہ اندر نثر حکم ترجمان است

اس نسخہ میں مندرجۂ ذیل فصول ترجمہ کیا گیا ہے۔

فصل اول در بیان آنچہ کہ آمد داست از ذکر ہند در تفسیر و حدیث

فصل دوم در ذکر علمائے ہند۔

فصل دوم کے ذیل میں سب سے آخر میں مولانا آزاد بلگرامی کی سوانح حیات کا ترجمہ کیا گیا ہے، لیکن تیسری اور چوتھی فصل کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ نامکمل

---

[1] خدابخش لائبریری کیٹلاگ، ج ۸، ص ۸

ترجمہ ہے،

اس میں نہ کاتب کا نام ملتا ہے، اور نہ سنہ کتابت درج ہے، تاہم چودہویں صدی کی کتابت کہی جاسکتی ہے،

دیوان آزاد | ہینڈلسٹ نمبر ۵۳۶، ورق ۶۴، سطر ۱۲، خط نستعلیق، کتابت سنہ ۱۲۶۸ھ،

اس دیوان میں سب سے پہلے غزلیں تحریر کی گئی ہیں، جو کل ۱۰۶ ہیں پہلی غزل کا مطلع یہ ہے۔

برآر از بسم اللہ تیغ خوش تعالے را | مسخر کن سواد اعظم نازک خیالی را

اس کے بعد رباعیات ملتی ہیں، جو تعداد میں ۱۰ ہیں۔ سب سے آخر میں تاریخ ختم مآثر الکرام ہے، جس کا آخری شعر اس طرح ہے، ؎

انجام بعون ایزدی یافت | تاریخ شنو ختامہ مسک

مندرجۂ ذیل خاتمہ کی عبارت ملتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ سنہ ۱۲۶۸ھ میں لکھا گیا، اور کاتب کا نام فرزند احمد حسینی واسطی ہے،

الحمد للہ والمنۃ کہ دیوان سحر بیان علامہ نامی مولوی غلام علی آزاد بلگرامی بمقام قصبہ تاج پور ہنگام عمدہ کمشنری جناب قبلہ گاہ صاحب معلہ رشید احمد صاحب بتاریخ بستم ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۸ھ بخط بدربط بندہ فرزند احمد حسینی واسطی بلگرامی اختتام والصرام یافت رجا کہ ناظران اگر جائی غلطی معائنہ فرمایند بذیل عطا پوشیدہ نمایند کہ ہیچ نوع بشر خالی از خطا نبود۔

رسالہ شجرہ طیبہ | ہینڈلسٹ نمبر ۵، ۳۵، ورق ۱۸، سطر ۱۹، خط نستعلیق کتابت سنہ ۱۲۸۲ھ،

یہ مخطوطہ سادات بلگرام کی تاریخ، حالات اور ان کے نسب نامے پر مشتمل ہے۔

اس میں سب سے پہلے وہ احادیث نقل کی گئی ہیں، جن میں اپنے اصل خاندان کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کی طرف انتساب کرنے پر خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لعنین بھیجی گئی ہیں، اس کے بعد خاندان قریش کی تاریخ اور آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس ضمن میں حضرت علیؓ، اور حضرت حسن و حسین علیہما السلام کے مختصر احوال تحریر کئے گئے ہیں۔

سید حسین بن سید ابو الفرج کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں، جو بلگرام آئے، اس کے بعد وہاں کے سادات خاندان کے حالات اور انکے خاندانی شجرے بیان کئے گئے ہیں، اس میں مولانا آزاد بلگرامی نے اپنے عہد تک کے بلگرامی سادات خاندان کے واقعات تحریر کر دیئے ہیں۔

رسالہ شجرہ طیبہ کا دوسرا نسخہ	ہینڈ لسٹ نمبر ۳۵۰۵، ورق ۷۹، سطر ۱۹، خط نستعلیق کتابت ۱۲۸۲ھ

یہ شجرہ طیبہ کا دوسرا نسخہ ہے۔ دونوں میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر نسخہ میں مولانا آزاد بلگرامی کے بیان کے بعد کسی دوسرے شخص نے ۱۲۵۲ھ سے ۱۲۵۷ھ تک کے مختلف سالوں مین بلگرام کے علاوہ کوانچ، آرہ، مظفرپور، بھاگلپور، مارہرہ کے بلگرامی سادات گھرانوں میں پیدائش اور موت کے جو واقعات پیش آئے انھیں سنہ اور تاریخ کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔

بیاض رنگین	ہینڈ لسٹ نمبر ۳۱۴۳، ورق ۱۶۲، سطر مختلف، خط نستعلیق،

کتابت بارھوین صدی ہجری۔

یہ مولانا آزاد بلگرامی کی خود نوشت بیاض ہے، جس میں ان کے منتخب اشعار، اہم واقعات اور علمی امور درج ہیں، عربی و فارسی دونوں زبانوں کی چیزیں ہیں، یہ نہایت اہم نسخہ اور تفصیل طلب ہے، اس سے اس کا مفصل تعارف کسی آیندہ شمارہ میں کرایا جائے گا۔

اڈیٹر معارف کے نام

اربابِ علم کے خطوط

تکیہ رائے بریلی۔

۲، شوال ۱۴۰۰ ہجری

برادر محترم و محب گرامی　　زید لطفہ

.... خط لکھنے کے بعد قومی آواز میں ایوارڈ کی خبر پڑھی، بڑی مسرت ہوئی، دلی مبارکباد قبول کیجئے۔

والسلام آپ کا ابوالحسن علی ندوی

تکیہ رائے بریلی۔

۸، شوال ۱۴۰۰ھ

ایوارڈ سے حقیقتاً دل خوش ہوا کہ حق بہ حق دار رسید بلکہ تاخیر کا افسوس ہے۔

والسلام ابوالحسن علی ندوی

حبیب منزل، علی گڈھ

۱۸ اگست ۸۰ء

مکرم و معظم سید صاحب　　مد الطافکم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ابھی خوش خبری ملی، فالحمد للہ علی ذالک بارک اللہ تعالےٰ ع　حق بحقدار رسید،

والسلام۔ عبید الرحمٰن خان شروانی

علی گڑھ

۲۶۔۸۔۸۰

محب محترم و مکرم　　　　والسّلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ نے مجھکو تعزیت نامہ لکھا تھا، جس کے لیے میں صمیم قلب سے آپ کا شکر گزار ہوں، آپ کو اس خاکسار سے محبت اور قلبی لگاؤ ہے اس کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت ہرگز نہیں، لیکن میں آپکو تہنیت نامہ لکھ رہا ہوں، یہ ایوارڈ آپکو اب ملا ہے، وہ اب سے بہت پہلے ملنا چاہئے تھا، آپ کی محققانہ تصنیفات و تالیفات اور آپ کے بلند پایہ مقالات کم و کیف کے اعتبار سے اس پایہ و مرتبہ کے ہیں، کہ اردو لٹریچر ان پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے، ایوارڈ دینے میں غالباً عمر کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو آپ کے معاملہ میں تاخیر اسی وجہ سے ہوئی، معلوم نہیں کیوں میرا خیال تھا کہ آپ کو کئی برس پہلے یہ سرکاری اعزاز مل چکا ہے:۔

اب انگریزی اخبارات میں آپ کا نام دیکھا تو حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی، بہرحال میں آپ کو صدق دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور برہان بھی مبارکباد پیش کرے گا۔

والسّلام۔ سعید احمد اکبر آبادی

بمبئی، ۲۵ر اگست سنۂ

برادرم، سید صباح الدین،　　سلامت رہو

تحیۃ و سلاماً۔ آپ کا نام گرامی اخبار میں آیا تھا کہ آپ کو بھی شمس العلماء کے خطاب مل گیا، پانچ ہزار مبارک ہو بھیا،

میں آپ کے دیدار کا شایق ہوں، مرنے سے پیشتر ملنا چاہتا ہوں، دارالمصنفین آنا چاہتا ہوں، کیا نومبر میں آؤں، اب عمر ۸۰ کی ہو گئی ہے، دیر نہ کیجئے لکھئے،

آپ اپنے لئے دعائم الاسلام کی دعا سنئے۔

تومن السماء باظلاله

تومن الارض باکرامه

وتومن النور ببرهانه

مخلص
اے، اے، اے فیضی

جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی۔

۳۰ر اگست سنۂ

محترم المقام زید مجدکم　　　　السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کو مبارکباد، دارالمصنفین کو مبارکباد، ہم سب کو مبارکباد، امسال کے فارسی زبان و ادب کی خدمت کے سلسلہ کا ایوارڈ آپ کو ملا۔

حق بحقدار رسید

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایوارڈ آپ کو پہلے ہی مل جانا چاہیئے تھا، لیکن آج کی دنیا میں خاموش خدمت کرنے والوں کو لوگ بعد میں یاد کرتے ہیں، اور ان کی مستغنی طبیعت کے سبب ارباب انتظام کی نگاہیں ان پر دیر میں پڑتی ہیں، لیکن انھیں اور ایسے ہی حضرات سے علم و ادب کی آبرو بھی قائم ہے، ع　ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں،

آپ کا مخلص۔ ضیاء الحسن فاروقی۔

پٹنہ
۱۰ر اگست سنۂ

محب عزیز و مشفق شفیق،　　السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

کل کے اخباروں سے یہ خوش خبری ملی کہ اس سال صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے فارسی میں

سند قابلیت تمھیں عطا ہوئی ہے، اس خوش خبری کا بہت دنوں سے انتظار تھا، اور حق تو یہ ہے کہ چند سال
پہلے ہی تم کو یہ اعزاز مل جانا چاہیے تھا لیکن ہر کام کے لیے خداوند پاک کی طرف سے وقت متعین و مقرر ہوتا
ہے، اللہ کا شکر ہے کہ صاحب استحقاق کو آخر یہ مل کر رہا، میں یہ اعزاز پانے کے لیے تمھیں ہدیہ تبریک و تہنیت
تقدیم کرتا ہوں اور خدائے قدوس سے دعا گو ہوں کہ تم آیندہ برسہا برس صحت و سلامتی کے ساتھ اس اعزاز
و اکرام سے مستفید ہوتے رہو، یہاں تمھارے شناساؤں اور قدردانوں میں سے جس جس نے یہ مژدہ سنا ہے
سبھوں نے مسرت کا اظہار کیا ہے، اور تمھارے علمی خدمات کی تعریف کی ہے، ان شناساؤں میں ایک
سید عزیز مصطفے صاحب بھی ہیں، جو پٹنہ کالج میں تمھارے ہم عصر تھے، اور بعد میں گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ عہدہ سے
ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہیں، آج کل وہ میرے تقریباً پڑوس میں بود و باش رکھتے ہیں، انھوں نے بہ اصرار
تم کو مبارکباد لکھنے کو کہا ہے۔ والسّلام سید حسین (سابق صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی)

ناظمہ منزل، سول لائنز علی گڈھ۔ ۱۵ر اگست ۱۹۸۰ء ۸ بجے صبح

محترمی سید صباح الدین صاحب السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

ابھی صبح اخبارات سے صدر جمہوریہ کے علمی ایوارڈ ملنے کی اطلاع ملی، بہت مسرت ہوئی،
صدر جمہوریہ نے آپ کو یہ اعزاز دے کر آپ کی نہیں اس انعام کی توقیر بڑھائی ہے، مولا تعالیٰ ہر طرح
اس انعام کو آپ کے لیے باعث برکت و مسرت بنائے، مجھے اطلاع ایک ہفتہ پہلے مل گئی تھی لیکن
ریڈیو اخبار کی باضابطہ اطلاع کا منتظر تھا، میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ والسّلام

مختار الدین احمد (صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی)

علی گڈھ۔ ۱۰ر اگست ۱۹۸۰ء

محبی! سلام مسنون

ایوارڈ پر بے حد خوشی ہوئی، دلی مبارکباد قبول فرمائیے،

مخلص نذیر احمد (سابق صدر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی)

کلکتہ ۲۰/۸/۸۰

جناب بھائی صاحب مدظلہم۔ سلام و رحمت

کلکتہ سے باہر تھا، واپس آنے پر ایوارڈ کی اطلاع ملی، دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں قبول فرمایئے،
یہ اعزاز آپ کے مقام سے بہت نیچے ہے، اسحاق لکچر کے سلسلہ میں اس بار فارسی کا مقالہ جلد آنے والا ہے
اس میں آپ کا ذکر خیر شامل ہے، یہ اعزاز پانے سے پہلے لکھا گیا تھا، اس لیے اس اعزاز پر مسرت کا
اظہار نہیں کیا جاسکا، آپ کی علمی ذات گرامی ہمارے لیے مغتنم ہے، اللہ تعالےٰ بہت دنوں آپ کو
صحت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھے، آمین والسّلام مع الاکرام (قلبی لگاؤ کے ساتھ) دعاؤں کا محتاج

عطا کریم برق (پروفیسر سر آسوتوش کرجی چیر کلکتہ یونیورسٹی)

دلی۔ ۱۹ر اگست ۱۹۸۰ء

جناب سید صباح الدین صاحب : السّلام علیکم و رحمۃ اللہ

ایوارڈ پر میری طرف سے مبارکباد قبول فرمایئے، آپ کے علمی کاموں پر ہم سب کو فخر ہے، علامہ شبلی
اور مولانا سید سلیمان کی علمی روایت کو آپ نے برقرار رکھا اور اس ادارہ کی خدمت میں آپ لگے ہوئے ہیں،

والسّلام، سید امیر حسن عابدی (صدر شعبۂ فارسی دلی یونیورسٹی)

پھلواری شریف، ۲۲/۹/۸۰

محترمی! سلام و رحمت

امید کہ آپ بخیریت ہوں گے، میں آپ کو خلوص و محبت کے ساتھ پریذیڈنٹ ایوارڈ ملنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص، محمد امان اللہ قادری (صاحب سجادہ خانقاہ مجیبیہ)

مدراس۔ ۱۵ر اگست ۱۹۸۰ء برادرم، السّلام علیکم

آج کے اخبارات میں آپ کا نام، پریسیڈنٹ ایوارڈ کی فہرست میں شائع ہوا، یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی،

آپ کی ادبی و علمی و تہذیبی خدمات کا تھوڑا سا اعتراف ہوا، آپ کو بہت پہلے ہی یہ ایوارڈ ملنا چاہیے تھا، میری طرف سے اور میری بیوی کی طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔

والسّلام، محمد یوسف کوکن
(صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو مدراس یونیورسٹی)

علی گڑھ۔ ۱۰/۹/۸۰　　مکرمی و محترمی، السلام علیکم

حد درجہ باعث مسرت ہے کہ حکومت ہند کی جانب سے اس سال یوم آزادی کے موقع پر فارسی کا علمی اعزاز آپ کو عطا ہوا ہے، اس پُر مسرت موقع پر میری جانب سے مبارکباد قبول فرمائیے، آپ ہر اعتبار سے اس علمی اعزاز کے مستحق تھے، حکومت ہند نے اس گراں قدر اعزاز کے لیے آپ کا انتخاب کر کے اپنی حق پسندی و فرض شناسی کا ثبوت دیا، اس سے قبل آپ کے پیش رو اور سابق ناظم شاہ معین الدین احمد ندوی کو بھی یہ اعزاز عطا ہو چکا ہے، حکومت کا اس اعزاز کے لیے آپ کو منتخب کرنا، اس خاموش علمی خدمت کا اعتراف بھی ہے، جو دار المصنفین انجام دے رہا ہے، خدا کرے یہ ادارہ آپ کی نگرانی میں دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل کرے۔

والسّلام، شریک مسرت اقبال انصاری (صدر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی)

لکھنؤ۔ ۱۰/۹/۸۰　　مکرمی و محترمی! السّلام علیکم

اخبارات کے ذریعہ یہ دل خوش کن اطلاع ملی کہ صدر جمہوریہ نے جشن آزادی کے موقعہ پر آپ کو فارسی زبان و ادب کا بہترین اسکالر قرار دیتے ہوئے سند اعزاز عطا کی ہے، جس کے لیے میں آپ کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، قبول فرمائیں، دراصل یہ اعزاز آپ جیسے صاحبان علم و فضل کو ہی نہ صرف زیب دیتا ہے، بلکہ خود اس کی شان اور وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

نیاز مند، ڈاکٹر محمد رضوان علوی (صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی، و صدر یوپی اردو اکیڈمی)

نئی دلی۔ ۱۵ اگست سنہ　　محبی، آداب

آج صبح کے اخبار میں یہ دل خوش کن خبر دیکھی کہ آپ کو فارسی زبان کا راشٹرپتی ایوارڈ عطا ہوا ہے، بے حد مسرت ہوئی، میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں، اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اس مادی انعام کو بے شمار روحانی اور علمی انعاموں کا پیش خیمہ بنائے۔　　والسّلام مع الاکرام خاکسار مالک رام۔

دلی۔ ۲۲ اگست سنہ　　برادر مکرم، السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ نے کتنا بڑا یہ ظلم مجھ پر کیا کہ ایسی خوشخبری سے محروم رکھا جس کو سننے کے لیے کان کب سے منتظر تھے، ریڈیو پر ایوارڈ کا ذکر تو سنا لیکن پٹنہ میں اخباروں میں نام نہیں دیکھا، کسی اور ذریعہ سے اطلاع ملی یہاں آکر یہ مژدہ سنا کہ امسال ۱۵ اگست کو پریسیڈنٹ ایوارڈ ملا، دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، یہ عزت آپ کے لیے کوئی بہت بڑی چیز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ حیات دے کہ اس ایوارڈ سے خاطر خواہ طور مستفید ہو سکیں۔　　سید شہاب الدین دسنوی

ایران سوسائٹی، کلکتہ

۲۰ اگست سنہ　　(انگریزی میں)

پیارے مولانا صاحب

ہم لوگوں کو انتہائی خوشی ہے کہ اس سال یوم آزادی کے موقع پر آپ کو صدارتی ایوارڈ ملا، آپ ہر لحاظ سے اس اعزاز کے مستحق تھے، خوشی کی بات ہے کہ گو سند آپ کو دیر میں ملی لیکن آخر مل کر رہی، میری طرف سے اور ایران سوسائٹی کے اراکین کی طرف سے اس ایوارڈ پر صمیم قلب سے مبارکباد قبول کریں، آپ اس ایوارڈ کے پورے طور پر مستحق ہیں۔ ایران سوسائٹی کو فخر ہے کہ آپ جیسے اسکالرز کا تعلق اس سے ہے۔

آپ کا۔ ایم۔ اے مجید
(جنرل سکریٹری ایران سوسائٹی)

کلکتہ۔ ۱۶ اگست سنہء

میرے معزز مولانا صاحب! السلام علیکم

ابھی ابھی صبح کے ریڈیو سے یہ خبر سنی کہ آپ کو صدارتی ایوارڈ ملا ہے، میری طرف سے قلب کی گہرائیوں سے مبارکباد قبول کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، کہ آیندہ آپ کو اور بھی اعزاز سے نوازے گے۔

ایم۔ یوسف (سینیر گورنمنٹ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ کلکتہ)

جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دلی، ۲۵ اگست سنہء۔

برادر محترم! السلام علیکم

۱۶ اگست کے اخبار سے معلوم ہوا کہ اس سال آپ کو فارسی اسکالر کا انعام حکومت ہند کی طرف سے دیا گیا، خیال آیا کہ اگر فوراً ہی خط لکھا تو خطوں کے اس انبار میں کھو کر رہ جائے گا جو آپ ان دنوں وصول کر رہے ہونگے۔ اس لیے چند روز انتظار کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ملک میں اب اشخاص کے بجائے ان کے کاموں کو تسلیم کیا جانے لگا۔ اگر یہ ذہنیت شروع سے رہی ہوتی تو یہ خط آج سے کئی برس پہلے لکھ چکا ہوتا۔ بہرحال یقین مانئے، جیسے اپنے گھر کی بات ہو، میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے، اللہ تعالیٰ مزید انعامات سے نوازے، آج مولانا (مولانا عبدالسلام قدوائی مرحوم) ہوتے تو وہ کتنا خوش ہوتے۔

آپ کا مخلص مشیرالحق

(صدر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ عرب ایرانین اسٹڈیز)

لکھنؤ۔ ۱۵ اگست سنہء

مکرمی، زاد عنایتکم، سلام مسنون، عید مبارک!

آج صبح اخبار سے یہ خبر مسرت اثر ملی کہ آپ کو فارسی کا اعزاز بارگاہ صدارت سے ملا ہے، اس اعزاز پر مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

نیازمند حکیم عبدالقوی (ایڈیٹر صدق جدید)

پھولپور، الہ آباد۔ ۸ ستمبر سنہء

محترم بھائی صاحب!

پرسوں ایک ہندی اخبار میں اس تقریب کی ایک مختصر خبر چھپی تھی، جو آپ کے اعزاز میں

اعظم گڈھ میں کی گئی تھی، شاید قومی آواز میں چھپی ہو جو یہاں ملتا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس سال یوم آزادی کے موقع پر صدر جمہوریہ نے آپ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں سند عطا کی ہے، یہ اعزاز جس کے آپ ہر اعتبار سے مستحق تھے، مبارک ہو، بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کی طویل اور بے لوث خدمات کا اعتراف کیا گیا، دراصل یہ اعزاز تو آپ کو مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین کے ہاتھوں سے ملنا تھا۔

مخلص خلیل الرب (سابق ڈپٹی ڈائرکٹر اردو محکمہ تعلیم یوپی)

نئی دلی۔ ۲۴ اگست سنہء

مکرمی و محترمی! السلام علیکم

بڑی خوشی ہے کہ حکومت نے آپ کو اعزاز عطا کیا، مبارکباد! آپ اسکے ہر طرح مستحق تھے، اور انعام آپ کو بہت پہلے مل جانا چاہیے تھا۔

آپ کا اوصاف علی (الیسوسی ایٹ ایڈیٹر۔ اسٹڈیز ان اسلام)

محترم و معظم جناب سید صباح الدین صاحب زید مجدہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

اس سال ۱۵ اگست کے موقع پر فارسی کا علمی ایوارڈ آپ کو دیا گیا، اس بات سے بے حد مسرت ہوئی، اور حق بحقدار رسید، یہ انتخاب واقعۃً بہت صحیح اور حق شناسی کا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مبارک کرے، اور اس مسرت کو زیادہ سے زیادہ آپ کے لیے اور سب اہل تعلق کے لیے فرحت کا ذریعہ بنائے، میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کیجئے، آپ کی تحقیق اور مطالعہ کی مشغولیت اور ہمہ وقت علمی خدمت بذات خود قدردانی کی مستحق تھی میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ سے دارالمصنفین کی بھی قدر افزائی ہوئی ہے، اور ملک میں دارالمصنفین کی جو واقعۃً حیثیت ہے اس کو کسی حد تک حکومت کی طرف سے خراج تحسین ملا ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ والسلام

شریک مسرت خاکسار محمد رابع ندوی (عمید کلیۃ الادب دارالعلوم ندوۃ)

ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۱۲ اگست ۸۰ء

محترم گرامی جناب صباح الدین صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں، کئی دن سے خیال تھا کہ عریضہ لکھوں لیکن آج نوبت آئی، مجھے رائے بریلی پہونچ کر ہی آپ کے ایوارڈ کی خوشخبری ملی تھی، اللہ تعالیٰ ہر طرح اسکو مبارک فرمائیں۔

والسلام معین اللہ ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء)

حیدرآباد۔ ۲۰ ستمبر ۸۰ء۔ مکرمی و محترمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

چند دن پہلے یہاں کے ایک اردو اخبار میں ایک سطری خبر میں اسکی اطلاع چھپی تھی کہ جناب کو فارسی زبان و ادب کی خدمات کے سلسلہ میں اعزاز سے نوازا، لیکن اخبار میں نام بالکل غلط چھپا تھا، اگست ۸۰ء کا معارف آیا تو شذرات میں آپکے قلم سے یہ خبر دیکھی تو اسکی توثیق ہوئی اور بڑی خوشی ہے کہ بقول جناب، حکومت ہند علم و ادب کے خاموش خدمت گزاروں اور عزلت پسندوں پر بھی نظر رکھتی ہے، جی ہاں، نظر تو رکھتی ہے لیکن شاید دیکھتی ہے دوسروں کی نظر سے، ورنہ اسکا اعتراف بہت پہلے ہونا چاہئے تھا اور اس اعزاز کے آپ بہت پہلے مستحق ہو چکے تھے، آپنے اس عرصہ میں جو اہم خدمات انجام دیں اور جو بیش بہا کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، انھوں نے جریدۂ علم و ادب پر آپ کے نقوش کو اتنا گہرا ثبت کر دیا ہے کہ عالم علم و ادب کبھی انھیں فراموش نہیں کر سکتا بلکہ جب تک اردو زبان اور اس میں علم و فن باقی رہیں گے آپکے رشحات چمکتے رہیں گے، دنیائے علم و فن میں آپ کی علمی و ادبی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے، حکومت کے اس اعتراف و نوازش پر دلی مبارکباد قبول کیجئے، میرے خیال میں اس اعتراف سے اپنا وقار قائم کیا ہے،

چودھویں صدی ہجری کے اختتام کی مناسبت سے آپنے معارف کے شذرات میں مسلمانوں کے گزشتہ کارہائے نمایاں کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا میں نے انھیں بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھا، آپ نے جس انداز سے ہماری تاریخ کی علمی ادبی اور فنی روداد کا جائزہ لیا ہے، وہ لائق ستائش ہے، یقین جانئے مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ میں آموختہ دہرا رہا ہوں، اگست کے پرچہ میں مستشرقین

اور مغربی ماہرین کی نیش زنی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا انکار کوئی منصف مزاج شخص نہیں کر سکتا، آپ نے تو نام نہاد عرب اسکالرز (یعنی جو خود غیر مسلم نسلاً عرب ہیں) کا حوالہ دیا ہی نہیں، انھوں نے بالواسطہ طریقہ پر ہماری تاریخ ہی کی صورت بگاڑنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسلام کی بعض اہم تعلیمات کو بھی مسخ کرنے یا ان سے متعلق الفاظ کے غلط معنی بتا کر ہمارے دین پر بھی کاری ضرب لگانے کی کوشش کی ہے، المنجد عربی کی اہم لغت ہے، عرب علماء نے نشان دہی کی ہے آپ کو محض مثال کے لیے یہ بتاؤں کہ طلقاء جمع طلیق کے معنی لکھے ہیں "الذین ادخلوا فی الاسلام کرہا" یعنی جن لوگوں کو اسلام میں زبردستی داخل کیا گیا، اب اس معنی کو آنحضرتؐ کے فتح مکہ کے موقع پر کہے گئے جملہ کو سامنے رکھ کر پڑھیے تو کیا نتیجہ نکلے گا، تاریخ انسانی کا اتنا بڑا اخلاقی کارنامہ، تاریخ انسانی کا کتنا بڑا وحشیانہ کام بن جائیگا، ضرورت اسکی تھی کہ پڑھے لکھے صاحب نظر نوجوان علماء کی ایک جماعت ان علمی و ادبی جرائم کی پردہ دری پر کمربستہ ہو کر میدان میں آجائے اور ان لوگوں کے چہروں سے علم و ادب کے یہ جھوٹے نقاب اٹھا کر پھینک دے۔

قرآن اور اس سے متفرع علوم و فنون سے متعلق ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا مضمون بہت عالمانہ اور محققانہ ہے، میں نے اس سے بہت ہی استفادہ کیا خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ میں نے اپنی کتاب تاریخ ادب عربی جلد دوم کیلئے قرآن کا باب ابھی مکمل کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کی افادیت مکمل نہ ہوگی اگر یہ مضمون بھی شائع نہ کیا جائے، اس مضمون میں قرآن کی جمع و تدوین کے علاوہ اسکے ادبی و لغوی کمالات کو اجاگر کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ قرآن کی کسوٹی عربی زبان نہیں بلکہ قرآن کریم عربی زبان و ادب کی کسوٹی ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک سطر جواب میں تحریر فرمایئے، میں مضمون کو بھیجدوں، آپ مناسب سمجھیں تو شائع کریں۔

آپ کے شذرات پڑھ کر لکھنے کا ارادہ بہت دنوں سے کر رہا تھا، مگر اعزاز کی تقریب نے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنا دیا اور اتنا لمبا خط لکھ ڈالا۔

آپ کا مخلص عبدالحلیم ندوی

(صدر شعبۂ عربی سنٹرل انسٹیٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لنگویجز)

علی گڑھ ۔ ۲۰ر اگست ۵۸ء　　مخدوم و مکرم ۔ زاد مجدکم

اب کی بار فارسی کا جو ایوارڈ آپ کو ملا ہے، اس سے قلبی مسرت ہوئی، اللہ مبارک کرے، خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

والسلام ۔ محمد تقی امینی ۔ (ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی)

اکبر پور ضلع فیض آباد ۔ ۱۵ر اگست ۵۸ء　　حضرت سید المحترم ۔ سلام علیکم

عید سعید اور یوم آزادی مبارک ہو، قومی آزادی سے آپکے فارسی کی سند اعزاز، صدر جمہوریہ کی طرف سے جاری ہونے کی بشارت پاکے نہایت مسرت ہوئی، میری مخلصانہ اور مودبانہ تہنیت کو قبول فرمائیں، مسرت محض اس بات کی نہیں ہے کہ انفرادی طور پر آپ کی خدمات کو تسلیم کیا گیا بلکہ اسکی بھی ہے کہ حکومت کی نظر گوشہ نشین اور عزلت پسند خادمان قرطاس و قلم تک پہونچ گئی، یقینی طور پر اس سند سے دار المصنفین کی خدمات کو بھی استناد ملا ہے، یہ بھی اہم بات ہے، توقع یہی ہے کہ اس توسیع سے سکون و یکسوئی کے ساتھ علمی خدمات بجالانے میں سہولت ہوگی اور علمی ثمرات مستحقوں تک پہونچنے کی مقدار میں اضافہ ہوگا، اور رفتار میں سرعت آئے گی۔ اللہ المستعان، آخر میں ایک بار پھر مبارکباد۔

ارادت کیش سید محمد نقوی (سابق چیرمین اکبر پور میونسپل بورڈ)

انجمن استادان فارسی ہند دہلی ۔ ۵ر ستمبر ۵۸ء　　(انگریزی میں)

پیارے جناب صباح الدین صاحب

انجمن استادان فارسی ہند کی طرف سے میں آپ کو، صدر کی طرف سے جو سرٹیفکٹ آف آنر ملا ہے اس کیلئے مبارکباد پیش کر رہا ہوں، یہی موقع ہے کہ جب ہم سب لوگ آپ کی مسرت میں شرکت کریں اور آپ کیلئے دعا کریں، کہ آپ آیندہ ایک خوشحال پرامن زندگی بسر کریں تاکہ آیندہ فارسی علم و ادب کی اور بھی عظیم تر خدمات انجام دے سکیں، انجمن استادان فارسی ہند کی یہ بڑی عزت افزائی ہوگی کہ جب آپ یہ سرٹیفکٹ آف آنر صدر جمہوریہ ہند سے لینے کیلئے آئیں تو ایک شام اس انجمن کے ساتھ بھی گزاریں۔

آپ کا مخلص نور الحسن انصاری (جنرل سکریٹری انجمن استادان فارسی ہند)

حبیب منزل علی گڑھ ۲۴ر اگست ۵۸ء　　مکرمی، السلام علیکم

یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوئی کہ حکومت ہند نے یوم آزادی کے مبارک موقع پر آپ کو فارسی کا ایوارڈ عنایت کیا ہے، آپ کی علمی خدمت کے پیش نظر آپ کو اسے پہلے ملنا چاہئے تھا، تاہم دیر آید درست آید کے مصداق مخلصانہ مبارکباد قبول فرمائیں، امید ہے کہ آپ کی علمی فتوحات برابر جاری رہیں گی اور آپ کی ذات سے علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندوی کی روایات تازہ رہیں گی۔

نیازمند ریاض الرحمن شروانی (ریڈر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی)

بمبئی ۔ ۲۰ر اگست ۵۸ء۔　　جناب قبلہ سید صاحب　　سلام مسنون

معارف کے شذرات میں یہ خبر پڑھی کہ آپ کو صدر جمہوریہ ہند نے سرٹیفکٹ آف آنر کے اعزاز سے نوازا ہے، خدا کا شکر ہے کہ علم و ادب میں آپ کی بے لوث خدمت کا اعتراف کیا گیا یقیناً یہ اعتراف دیر سے کیا گیا، آپ جیسے مخلص اور خاموش خدمت گزاروں کو یہ اعزاز دے کر حکومت نے اعزاز کے وقار کو بلند کیا ہے، آپ کی گراں بہا خدمات اس اعزاز سے بالاتر ہیں، خدا مبارک کرے، اور دین و دنیا اور علم و ادب کی خدمت کے لیے صحت و تندرستی، سکون و فراغ عطا فرمائے آمین، میری دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

خادم، فرید انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹوٹ

نئی دلی ۔ ۲۰ر اگست ۵۸ء　　برادر محترم ۔ آداب و نیاز

آپ اس مسرت کا اندازہ نہیں لگا سکتے جو مجھے آپ کو یوم آزادی پر سرکاری اعزاز ملنے پر ہوئی، علم اللہ کا دیا ہوا انعام ہے لیکن اسکا اعتراف ارباب علم و فن کے توسط سے بے پناہ فضیلت کا آئینہ دار۔　　نیاز کیش ۔ اوم پرکاش بجاج

لکھنؤ ۔ یکم اگست ۵۸ء　　مشفق محترم و مکرم زید لطفہ　　السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اخبار میں یہ خبر مسرت اثر پڑھی تھی، کہ صدر جمہوریہ نے اس سال فارسی ادب کا اعزاز آپ کو عطا کیا ہے، خبر پڑھ کر دل نے گواہی دی کہ حق بحقدار رسید، یہ اعزاز آنجناب کو بہت پہلے مل جانا چاہیے تھا، مگر

اب بھی غنیمت ہے کہ سیاسی حلقوں میں بھی آپ کی علمی خدمت اور تاریخی تحقیقات کا اعتراف کیا گیا، آپ کا اصل اعزاز تو وہ خاموش اعتراف ہے جو اہل نظر آپ کی محققانہ اور تاریخی کتابوں سے استفادہ کے وقت کرتے ہیں، جنھوں نے ہندوستان کے اسلامی عہد کے تابندہ نقوش کو اجاگر کر دیا ہے، ہم اس موقع پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور آپ کی خدمت میں مخلصانہ مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ عرصہ دراز تک علم و ادب کی خدمت کرتے رہیں، ادھر معارف میں آپ کے شذرات سید صاحب اور شاہ صاحب کے جرأت مندانہ اور مبصرانہ شذرات کی یاد تازہ کر رہے ہیں، فجزاکم اللہ احسن الجزا۔

والسّلام مخلص و نیاز مند شمس تبریز خان

کلکتہ - ۱۸ اگست ۷۱ء محترم گرامی قدر سلام مسنون

اگست کا معارف موصول ہوا اس میں آپنے جو شذرات لکھے ہیں وہ صحیح ہیں اور میں آپ سے پورا اتفاق کرتا ہوں، اس شمارہ سے یہ معلوم کرکے بے حد خوشی ہوئی کہ صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو سرٹیفکیٹ آف آنر سے نوازا ہے، آپ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں، میں آپ کو یہ اعزاز ملنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں

والسّلام مخلص محمد صابر خان کان اللہ لہ رسرچ ممبر بیاپٹسٹ مشن کالج (ال)

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی - ۱۹ اگست ۷۱ء مکرم و محترم سلام مسنون

ہم تمام لوگوں کے لیے یہ خبر انتہائی خوش کن اور مسرت بخش ہے کہ امسال فارسی کا انعام آپکے نام نامی پر ہے، اگرچہ آپ کی خدمات بے حساب اور بے اندازہ ہیں اور ان کا دوام خود بہت بڑا انعام ہوگا پھر بھی حکومت ہند کے اس فیصلہ پر میں آپ کو دلی مبارکباد بھیجتا ہوں، ازراہ نوازش قبول فرمائیے، خدا سے یہی دعا ہے کہ فارسی کی دنیا آپ کی گرانقدر اور پر از وقار تصنیفات سے مالا مال ہوتی رہے، اور اس قسم کے اعزاز سے نوازے جانے کا سلسلہ بھی جاری رہے،

والسّلام نیاز مند شعیب اعظمی (ریڈر شعبۂ فارسی)

مدراس۔ ۲۰ اگست ۷۱ء مکرمی تسلیمات

پریسیڈنٹ ایوارڈ کے لیے مبارکباد قبول فرمائیے، خوشی ہے کہ یہ ایوارڈ ایک حقیقی اسکالر کو ملا۔ خیام تقریبات کے دوران کلکتہ میں ہماری ملاقات ہوئی تھی، اس بات پر مجھے ناز ہے کہ تین دن آپ کے ساتھ ہی قیام کرنے کا فخر مجھے حاصل ہے،

والسلام۔ سید صفی اللہ لکچرر مدراس یونیورسٹی

بمبئی۔ ۲۲ اگست ۷۱ء محترم المقام زید مجدکم، ہدیہ سلام مسنون

یہاں اخباروں میں یہ پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی کہ امسال یوم آزادی کے موقع پر صدر جمہوریہ کی طرف سے آپ کو علمی اعزاز سے نوازا گیا، میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ یہ اعزاز تو آپ کو بہت پہلے ملنا چاہیئے تھا، لیکن ارباب حکومت کو بہت دیر میں یاد آیا، بہرحال آپ اس کے نہ صرف مستحق بلکہ آپ جیسے عظیم مصنف، محقق ادیب کی وجہ سے اس اعزاز کو چار چاند لگ گئے ہیں، آپ کے قلم سے تحقیقی کتابوں علمی کارناموں، ادبی و تنقیدی مقالات کا جو گراں بہا ذخیرہ تیار ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں یہ اعزاز بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، پھر بھی خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کی عظیم خدمات کا اعتراف تو کیا گیا، آپنے جس بے لوثی، جذبہ ایثار، عالی ہمتی اور صبر و استقلال کے ساتھ دار المصنفین کو سنبھالا ہے اور اس کی عظمت و وقار، شہرت و ناموری اور اسکی شاندار روایات کو برقرار رکھنے میں جو انتھک جد وجہد کی ہے اس کا اعتراف ہر اس شخص کو ہے، جو اس ادارہ کے مقاصد، اسکی تاریخ اور اسکی علمی اہمیت سے واقف ہے، آپ کی ہمت مردانہ اور خداداد انتظامی صلاحیتوں نے اس ادارہ کو استحکام بخشا، اس کے آڑے وقت میں ایسی صورت پیدا کردی جس سے توقع ہو چلی کہ اب اسکا فیض برابر جاری رہے گا، آپنے انتظامی مصروفیتوں کے باوجود اتنی بڑی ضخیم اور محققانہ کتابیں کیسے تصنیف کیں اس پر مجھے کیا بلکہ بہتوں کو حیرت ہے،

پھر تحریر بھی روکھی پھیکی نہیں بلکہ ادب و انشاء کی رنگینیوں اور دلآویزیوں سے معمور، میرے دوستوں میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ شبلی و سلیمان کا رنگ اب کسی کے یہاں ملتا ہے تو آپ کی تحریروں میں۔

والسّلام آپ کا مخلص عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی

پٹنہ - ۱۱ اگست ۷۳ء محترم المقام جناب صباح الدین صاحب قبلہ! تسلیمات

فارسی زبان و ادب کی خدمات کے صلہ میں حکومت ہند کی جانب سے آپ کو اعزاز سے نوازا گیا، یہ سنکر بے انتہا مسرت ہوئی اور بے ساختہ یہ فقرہ زبان پر آگیا کہ حق بحقدار رسید گرچہ بدیر، اس میمون و مسعود موقع پر میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے، اور مجھے شکر گزار ہونے کا موقع عنایت کیجئے، اللہ کرے آپ بہ صحت و عافیت ہوں۔ طالب علم شرف عالم۔ لکچرر بی۔ این کالج پٹنہ یونیورسٹی

بمبئی - ۲۵ اگست ۷۳ء۔ محترم سلام مسنون

گورنمنٹ آف انڈیا نے آپ کو فارسی زبان و ادب کی گرانقدر خدمات کیلئے سرٹیفکٹ آف آنر سے نوازا ہے، بڑی مسرت ہوئی، میری جانب سے مبارکباد قبول فرمائیے۔ مخلص ڈاکٹر این۔ ایس گوریکر سینٹ زیویر کالج۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دلی ۔ ۲۵ اگست ۷۳ء۔ محترم صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب۔ السّلام علیکم

پندرہ اگست کو اخباروں سے معلوم ہوا کہ صدر جمہوریہ نے یوم آزادی کے موقع پر آپ کو فارسی کے ایک مایہ ناز عالم کی حیثیت سے علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو سرٹیفکٹ آف آنر عطا کیا ہے، دلی مبارکباد قبول فرمائیے، ملک کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے بڑے بڑے مراکز سے دور رہ کر آپ خاموشی اور لگن کے ساتھ مقابلۃً بے سروسامانی کے عالم میں جو علمی خدمت ملک و قوم کی کر رہے ہیں اس کے پیش نظر آپ اس اعزاز کے بہت پہلے مستحق ہو چکے تھے، آپ کے مضامین اور کتابیں اسلاف کے کارناموں کو جس انداز سے قوم کی نئی پود کے سامنے لا رہی ہیں اس سے ان کا احساس کمتری ختم ہوتا ہے اور ان میں بھروسہ اور یقین کی ایک نئی لہر پیدا ہوتی ہے، خدا تادیر آپ کو ہم لوگوں کی رہنمائی کے لیے سلامت رکھے۔ آمین۔

آپ کا مخلص شہاب الدین انصاری۔ (لائبریرین ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری)

مطبوعات جدیدہ

سفر آخرت کے آداب و احکام، مرتبہ مولانا نبیہ محمد صاحب فیض آبادی تقطیع خورد، کاغذ معمولی کتابت و طباعت قدرے بہتر، صفحات ۷۰، قیمت آٹھ روپے۔ ناشر مکتبۃ الفیف، جلال پور، ضلع فیض آباد۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس مفید کتاب میں مرض الموت سے وفات تک کے ضروری احکام و مسائل بیان کئے گئے ہیں، پہلے دنیوی زندگی کی بے وقعتی و ناپائداری اور اس سے تمتع کی جائز صورتوں کا ذکر ہے، پھر تکلیفوں اور بیماریوں نیز ان کے علاج کا بیان ہے، اور شریعت میں مرض کے اعتبار، بیماری کے زمانہ میں عبادات و احکام کے سقوط و تخفیف، مرض کی حالت میں انجام دئے گئے معاملات کی نوعیت، مریض کی عیادت کی فضیلت اور نزع و جانکنی کے وقت کے حالات و شرعی احکام تحریر کئے گئے ہیں پھر میت کے غسل، کفن، نماز جنازہ، دفن اور قبر کے ضروری احکام، عذاب قبر، موت کے بعد کام آنے والی چیزیں یعنی میت کا ایمان و عمل صالح، فضل خداوندی اس کیلئے دوسروں کی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا ذکر ہے، اسیطرح زیارت قبور کے احکام، میت کے مال میں تصرف اور اسکی تقسیم کے مسائل، میت کے متعلقین کے صبر کی فضیلت، نوحہ کی ممانعت اور سوگ کی شرعی نوعیت بتائی گئی ہے، مصنف نے مرض و موت کے سلسلہ کی متعدد و غلط رسموں کو ترک کرنے کی تلقین بھی کی ہے اور آخر میں موت اور جنازہ سے متعلق چند موثر نظمیں نقل کی ہیں، اس کتاب کے اکثر احکام و مسائل احادیث و فقہ کی کتابوں سے ماخوذ ہیں ان سے کسی کو جزئی اور فقہی اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر یہ کتاب بہت مفید اور کارآمد ہے، عموماً پڑھے لکھے لوگ بھی ان مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے اس کتاب کو ہر مسلمان گھر میں ہونا چاہیے۔

اسلام اور عصر حاضر مرتبہ مولانا جمیل احمد نذیری مبارکپوری، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، صفحات ۲۵۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت دس روپیہ، پتہ ہلال بکڈپو مبارکپور، اعظم گڈھ۔

اس کتاب میں اسلام کی بعض اہم تعلیمات وخصوصیات بیان کرکے دکھایا گیا ہو کہ یہ مذہب دنیا کی موجودہ بے چینی اور پریشانی کو دور کرسکتا ہو، سائنس اپنی گوناگوں ایجادات کے باوجود انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے میں اسلئے عاجز ہو کہ وہ روحانیت و مذہب کو نظرانداز کرکے مادی وسائل میں امن وسکون تلاش کررہی ہو، ان کے نزدیک سائنس دانوں کی نت نئی دریافتوں اور ایجادات سے نہ تو مذہب کی بنیادیں متزلزل ہوئی ہیں اور نہ اسلام کی صداقت پر کوئی زد آئی ہو، ان کا خیال ہو کہ سائنس کا ٹکراؤ اُن مذاہب سے ہو جو مسخ ہوکر اپنی حقیقت کھو بیٹھے ہیں اور اب محض فرسودہ رسم و رواج کا مجموعہ ہوگئے ہیں، اس سلسلہ میں وہ یہودیت و نصرانیت کے علمبرداروں کے کردار اور ناعاقبت اندیشی کو مذہب سے برگشتگی کا سبب قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جب سائنسدانوں نے ان کے خلاف عقل عقائد و اعمال پر اعتراضات کئے تو انھوں نے اس کا جواب دینے کے بجائے سائنس کی تحقیقات ہی کو دبا دینا شروع کیا، اس کے برعکس اسلام دین فطرت اور عقل و شعور کی اہمیت کا قائل ہو اور وہی دنیا کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہو اور سائنس کی ترقیاں اس کے خلاف نہیں بلکہ اس کی حقانیت کا واضح ثبوت ہیں، یہ کتاب سنجیدہ ہو اور تحریر میں شائستگی ہے، اصولی حیثیت سے مصنف کا نقطہ نظر بھی درست ہو، اگر ان کا سائنسی مطالعہ براہ راست ہوتا تو یہ کتاب اور مفید ہوتی، کہیں کہیں قرآنی آیتوں کے سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے جیسے وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ میں ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہو نہ کہ نبوت محمدی ص ۲۲، لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ میں مسلمانوں سے خطاب ہو، نہ کہ اہل کتاب سے (ص ۲۴)، ص ۹۲ پر ایک حدیث کے بعد ہی ایک آیت اس طرح نقل کی گئی ہو کہ دونوں میں امتیاز مشکل ہوگیا ہے، ص ۱۲۸ پر ایک آیت کے ایک فقرہ کا ترجمہ رہ گیا ہے، ص ۲۱۳ پر سورۂ اسریٰ کے حوالہ سے جس آیت کا ترجمہ درج ہے وہ سورہ یوسف کی ہے، اس کے ترجمے میں بھی سہو ہوگیا ہے، ص ۳۹ و ۴۰ پر اموی دور کا ایک واقعہ بلا حوالہ دیا گیا ہے، متاع کا لفظ مونث ہے، اس کو مذکر لکھا ہے، (ص ۲۱) "ض"

دارالمصنفین کی تین نئی کتابیں

مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

دارالمصنفین کا سلسلہ تاریخ ہند ۱۵ کتابوں پر مشتمل ہے اسی کے تحت عہد بعہد کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کے کئی حصے ہوں گے حصہ اول میں عہد مغلیہ سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، انسان دوستی، مردم پروری کی تفصیل مستند علمی و تاریخی ماخذوں کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے، اس کے بعد کے حصوں میں دوسرے مسلمان فرمانروا خاندانوں بالخصوص مغل فرمانرواؤں جن کا عہد حکومت سب سے طویل رہا ہے، اُن کی مذہبی رواداری، انسان دوستی اور مردم نوازی کی تفصیل پیش کی جائے گی، قیمت ۰-۷ روپیے (مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن)

تبع تابعین حصہ دوم

یہ سلسلہ تبع تابعین دو حصوں پر مشتمل ہو پہلے حصہ میں امام ابوحنیفہ کے تین جلیل القدر تلامذہ کے علاوہ اور دوسرے مشہور تبع تابعین کے سوانح اور اُن کی علمی و دینی خدمات کی تفصیل ہے اور حصہ دوم میں امام وکیع، امام شافعی، امام حمیدی، قاضی شریک، امام مالک، امام یحییٰ مسعودی اور امام عبدالرزاق کے علاوہ اور دوسرے ... صاحب تصنیف اور صاحب دعوت تبع تابعین کے حالات لکھے ہیں، مرتبہ محمد نعیم صدیقی ندوی علیگ رفیق دارالمصنفین

قیمت:- ۲۰

مرزا مظہر جانجاناں

(اور اُن کا اردو کلام)

مرزا مظہر جانجاناں اردو اور فارسی کے ایک صاحب کمال صوفی شاعر ہیں اس کتاب میں اُن ہی کے سوانح و حالات، اور اُن کا تمام اردو کلام پیش کیا گیا ہو، شروع میں سید صباح الدین عبدالرحمن ناظم دارالمصنفین کے قلم سے پیش لفظ اور جناب سید شہاب الدین دسنوی کے قلم سے مصنف کے مختصر حالات ہیں،

(مرتبہ عبدالرزاق قریشی، اعظمی)

قیمت:- ۰-۱۲